حقیقت مین یہ سلسلہ نہایت مفید ہے، اور آگے چل کر جب یہ زمانہ حال، ہی بن جائیگا تو اس کتاب کا ایک ایک صفحہ لعل و گوہر کے ہم پلہ ہوگا، مؤلف کو اس کی اس علمی خدمت پر جس قدر مبارکباد دی جائے وہ کم ہے، اس پیش نظر جلد مین، ہندوستان کے ہر صوبہ کے، ہر مذہب کے، اور ہر قوم کے اکابر کے دلچسپ واقعات و سوانح و خدمات فراہم ہین، چونکہ یہ سلسلہ نہایت اہم ہے، اس لئے ہم جناب مؤلف کو حسب ذیل امور کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہین،

مؤلف نے لوگون کے حالات کے لکھنے مین کوئی خاص ترتیب پیش نظر نہین رکھی ہے، حالانکہ یا تو ان مین زمانہ کی ترتیب رکھنی چاہئے تھی، یا اصناف خدمات پر ان کو مرتب کرنا چاہئے تھا، مثلاً علمی، مذہبی، سیاسی، تعلیمی اکابر کو علحدہ علحدہ ابواب مین منقسم کرنا چاہئے تھا، کتاب کے آخر یا اول مین فہرست ضروری تھی، چونکہ یہ باقی رہنے والی چیز ہے، اس لئے اس کی لکھائی چھپائی اور کاغذ کا اہتمام کرنا چاہئے تھا، بااین ہمہ ہم مؤلف کو ان کی اس اہم خدمت پر مبارکباد دیتے ہین، بھارت سبھا کے بجائے اگر اس کا نام بھارت سپوت ہوتا تو بہتر ہوتا،

صفحات ۲۷۴، قیمت ہے، پتہ: نسیم بک ایجنسی، بشیر منزل، ترکمان دروازہ دہلی،

شاعری کی تیسری کتاب، خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی، اردو زبان کے قدیم خدمت گذارون مین ہین، خواجہ صاحب ہمیشہ کچھ نہ کچھ زبان کی خدمت مین مصروف رہتے ہین، اس رسالہ مین مؤلف نے اردو زبان کے علم قوافی اور عیوب قافیہ کو لکھا ہے، ہر مسئلہ کو آسان اور سہل طریقہ سے لکھکر اردو اشعار سے اس کی مثال دی ہے، مبتدی شعراء کے لئے اس رسالہ کا مطالعہ مفید ہوگا، ضخامت ۸۴ صفحات قیمت ۸ مؤلف سے، احاطہ خانساماں لکھنؤ سے طلب کیجئے۔

انتخاب زرین۔ سید راس مسعود صاحب کے تذکرۂ شعرائے اردو کا ذکر گذشتہ معارف مین آچکا ہے، غلطی سے اس کی قیمت اور ملنے کا پتہ اس مین لکھنے سے رہ گیا، قیمت عہ، پتہ ذوالقرنین بدایون۔

مجلد دہم | ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۲۲ء | عدد ششم

مضامین

شذرات

بے مہری دہر بین کہ در یک ہفتہ

گل سرزد، و غنچہ کرد، و بشگفت و بریخت

نہایت رنج و افسوس اور حسرت و اندوہ کے ساتھ ہم ناظرین کو یہ خبر سناتے ہین کہ ملک کی بزم دانش کا ایک نوجوان ممبر اٹھ گیا، مولانا محمد یونس فرنگی محلی مرحوم نے پچھلے مہینہ لکھنؤ مین بمرض دق وفات پائی، مرحوم مولانا عبد الحی مرحوم فرنگی محلی کے نواسہ تھے، اور اپنے ذاتی علم و فضل مین اپنے ہمعصر نوجوانون مین ممتاز تھے، ۲۴-۲۵ برس سے زیادہ عمر نہ تھی، معقولات اور فلسفہ سے اون کو خاص دلچسپی تھی، اور اپنی عمر کا بڑا حصہ انھین کی تحقیق اور کاوش مین بسر کیا، خود اپنے ذاتی شوق سے انگریزی اور فلسفۂ جدیدہ حاصل کیا، دار المصنفین اور معارف سے مرحوم کو خاص محبت تھی، کئی سال سے اون کی صحت مخدوش تھی، با این ہمہ وہ اپنے علمی انہاک سے باز نہین آتے تھے، گذشتہ سال عثمانیہ یونیورسٹی مین پروفیسر ہو کر گئے تھے، وہان مرض نے طول کھینچا، آخر وطن آکر اس شہید علم نے جان دی، مرحوم کی ایک کتاب روح الاجتماع دار المصنفین سے چھپکر شائع ہو چکی ہے، اور اپنی ایک اور دوسری تصنیف ابن رشد کا مسودہ وہ دار المصنفین مین بھیج چکے تھے جو عنقریب چھپکر شائع ہوگی، مرحوم کے دوستون کو اون کی ذات سے بڑی بڑی توقعات تھین، اور خیال تھا کہ اون کی کوششون سے فرنگی محل کی عقلی اور فلسفیانہ شان پھر دوبارہ زندہ ہوگی، افسوس کہ دست اجل نے امان ندی انا للہ،

وائنا پایتخت آسٹریا جنگ سے پہلے علوم و فنون کا ایک مرکز تھا، لیکن جنگ یورپ نے جس طرح اوسکا شیرازہ بکھیر دیا، اوس کا پُر افسوس منظر یہ ہے کہ وائنا یونیورسٹی کا حال جو ۱۹۱۴ء سے مرمت طلب تھا اس درجہ تباہ اور کمزور ہو گیا ہے کہ وہ اب مطلق کام کے لائق نہین رہا ہے تاہم آسٹریا کی عام مالی حالت اوسکی درستی کا سامان نہین کر سکتی، اسلئے یورپ کی اصطلاح مین وہ مردہ ہو گئی، حقیقت ہے کہ اس جدید تمدن نے تصنع اور تکلف کی مسرفانہ نمایش کی جو عادت پیدا کر دی ہے اوس کا نتیجہ یہ ہے کہ نفس مقصد سے زیادہ، حواشی اور متعلقات کی زیبایش اور دکھاوے پر صرف کرنا پڑتا ہے، ایوان تعلیم کے اندر جو کچھ ہو، مگر اوس کے ظاہری در و دیوار کے نقش و نگار اور رنگ و روغن مین رعب و ہیبت کا ظہور ضروری ہے، خدا جانے یہ طلسم باطل کب ٹوٹے گا،

جدید یورپین تمدن کے مداح اوس کے مناقب کی قصیدہ خوانی کرتے ہوئے سب سے زیادہ زور اس بات پر صرف کرتے ہین کہ اس تمدن نے دنیا کے بڑے بڑے عجائب زار شہرون کو پیدا کیا ہے، جن کی تنہا آبادی دوسری قومون کے پورے ملک کی آبادی کے برابر ہے، لیکن شاید اونھین یہ نہین معلوم کہ ان عظیم الشان شہرون کی آبادیان اوس وقت تک بیقیاس نہین ہوئی ہین، جب تک اون کے پاس کے ہزارون گاؤن برباد نہین ہوئے ہین، سید جمال الدین افغانی نے ایک دفعہ عروۃ الوثقی مین ہندوستان کے متعلق لکھا تھا کہ انگریز کہتے ہین کہ ہم نے ہندوستان آکر، یہان بمبئی، مدراس، کلکتہ جیسے شہر بنائے، لیکن یہ معلوم ہے کہ ہندوستان کو اپنی کتنی متاع گرانمایہ لٹا کر یہ چند مصنوعی شہر ہاتھ آئے ہین، پٹنہ، ڈھاکہ، مرشد آباد برباد کر کلکتہ بنا ہے، سورت، کھنبایت، احمد آباد، پٹن وغیرہ اجڑ کر بمبئی تعمیر ہوا ہے، ارکاٹ اور کوچی وغیرہ نے مدراس اور دابل نے کراچی کی صورت اختیار کی ہے اسلئے صرف شہرون کی جگہین اور تجارت کی ہنڈیان بدل گئین اور حقیقت مین جہان ہندوستان پہلے تھا اس حیثیت سے وہین اب بھی ہے،

لیکن گذشتہ جنگ عظیم نے جہان یورپ مین تمدن کی بیسیون کمزوریون اور عیوب کو نمایان کردیا ہی، وہان اس خاص وصف آبادی کی کمزوری بھی برملا ظاہر ہورہی ہے، چنانچہ لندن جو دنیا کا سب سے بڑا آباد شہر ہے بیس سال سے اوس کی مردم شماری ہر سال کم ہو رہی ہے، اور یہ امر اس واقعہ کا ثبوت ہی کہ اس شہر کا انتہائی کمال اپنے نقطۂ اوج پر پہنچکر اب گر رہا ہے،

احاطۂ بمبئی کے مسلمان مدت سے اس کوشش مین تھے کہ بمبئی یونیورسٹی مین اُردو کو بھی جگہ ملنی چاہیئے اس کوشش کا بڑا حصہ بمبئی مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے انجام دیا، الحمد للہ کہ اوس کی یہ کوشش کامیاب ہوئی، اب اسکولون اور کالجون مین اوس کو جگہ مل گئی ہے، خاص اردو اسکول الگ قائم ہوئے ہین، پونہ مین اُردو ٹریننگ اسکول چند سال سے قائم ہے، کالج کے اعلیٰ امتحانات ادب مین اردو بھی داخل ہوگئی ہی، اب اُردو ٹکسٹ بکس کمیٹی قائم ہو گیا ہے، جس کا مرکز پونہ ہے، اور ہمارے دوست پروفیسر شیخ عبد القادر (الفنسٹن کالج) اس کے صدر ہین، اس کے زیر اہتمام اُردو نصاب کی ۴۴ کتابین تیار ہو رہی ہین، اُردو کتابون پر انعام کا سلسلہ بھی جاری ہوا ہے، کیا الہ آباد یونیورسٹی کے ارکان اور حکام، اس سے سبق لے سکتے ہین؟ حضرت مسیح کا قول کیسا سچا ہے، "نبی بے عزت نہین مگر اپنے وطن مین"

ابھی حال مین انگلستان مین پارلیمنٹ کے ممبرون کا جو انتخاب ہوا ہے، اوس سے بعض عجیب انکشافات ہوئے ہین، رائے دہندہ عورتون کی تعداد بے انتہا بڑھ گئی ہے، بلکہ بعض حلقون مین رائے دہندہ مردون سے رائے دہندہ عورتون کی تعداد زیادہ ہے، دوسرے عہدون کو چھوڑ کر صرف مجسٹریٹ انگلستان مین اس وقت ۶ ہزار عورتین ہین، اس کے صاف معنی یہ ہین کہ آئندہ اگر یہی ترقی جاری رہی تو انگلستان مین مردون کی حکومت کے بجائے عورتون کی حکومت قائم ہوجائیگی، پھر معلوم نہین "ہوم گورنمنٹ" (خانداری) پر آئندہ کس کی حکومت ہوگی؟

چنانچہ عورتون نے اپنی کثرت رائے سے اپنی اصلاحات اور حقوق طلبی کا خود سامان کرنا شروع کردیا ہے، جنگ سے پہلے انگریز مرد ۳۰ برس کی عمر مین شادی کرلیتے تھے، مگر جنگ کے بعد کچھ تو کثرت مصارف، اور گرانی کے باعث، اور کچھ اخلاقی انحطاط کے باعث، اب اول تو ۳۵ سے پہلے شادی نہین کرتے، اس کے ماسوا عورتون کو اپنے منسوب شوہرون (؟) سے سالہا سال باقاعدہ نکاح کی امیدواری کرنی پڑتی ہے، اور اکثر یہ توقع مدت کی زحمت انتظار اور خوشگوار تجربون کے بعد شکست ہوجاتی ہے، ایسی حالتون مین عورتون کو سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہی، ڈیلی میل راوی ہی کہ امسال عورتون نے ممبرون کو رائے دیتے وقت اون ممبرون کو ترجیح دی جنھون نے یہ وعدہ کیا کہ انتخاب کے بعد پارلیمنٹ مین اس مدت انتظار اور زمانۂ تجربہ کو کم کرنے کا قانون منظور کرائینگے، لیکن سچ یہ ہے کہ شریعت کو چھوڑ کر کوئی قوم قانون سے نہین بن سکتی!

کلکتہ یونیورسٹی، ہندوستان کی تمام یونیورسٹیون کی اصل اور بنیاد ہی، اسی کے تجربون سے ہندوستان کی دوسری یونیورسٹیان اپنا اصول اور آئین بناتی ہین، ادھر چند سال سے یونیورسٹی مذکور کی مالی دقتون کا واقعہ، کوچہ و بازار کا افسانہ ہے، یونیورسٹی نے مجبور ہوکر گورنمنٹ سے امداد طلب کی، محکمہ حسابات نے اصلاح کی یہ تجویز سوچی کہ آیندہ سے یونیورسٹی کے حساب کے کاغذات گورنمنٹ مین پیش ہوا کرین، یہ بات اس دریا دل لیکن خوددار یونیورسٹی کو پسند نہ آئی اور سُنا ہے کہ اوس نے ہمت کرکے گورنمنٹ کی امداد سے قطعاً کنارہ کشی کرلی ہی، اگر یہ خبر سچ ہے تو دوسرے صوبون کی یونیورسٹیون کے لیے اور خصوصاً قومی یونیورسٹیون کے لیے، کلکتہ یونیورسٹی کی یہ نظیر شاید سبق آموز ہو، اوس نے ثابت کردیا ہے کہ یونیورسٹی کی حقیقت سلطنت کا تعلق نہین بلکہ تعلیم و تربیت کی عمدگی ہی، حضرت درد کہتے ہین:

سلطنت پر نہین ہی کچھ موقوف — جس کے ہاتھ آئے جام وہ جم ہی

دیسی ریاستون مین تعلیمی ترقی کے لحاظ سے اب تک صرف بڑودہ کا نام لیاجاتا تھا، مگر ادھر چند سال سے ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست حیدرآباد نے جو تعلیمی ترقی کی رفتار ظاہر کی ہو اوس سے اندازہ ہوتا ہو کہ وہ بہت جلد اس حیثیت سے بھی ہندوستانی ریاستون مین اپنی شایان شان جگہ حاصل کرے گی، حیدرآباد کی سال گذشتہ (۱۳۲۹؁ ف) کی جو تعلیمی روداد شائع ہوئی ہے اوس سے ظاہر ہوتا ہو کہ اس سال سرکار نظام نے اس صیغہ پر ۴۱،۲۰،۴۴۸ روپے صرف کئے ہین، جو برطانی ہندوستان کے موازنہ سے کہین زیادہ ہے، اسی طرح مدارس اور طلبہ کی تعداد مین بھی کامیاب اضافہ ہوا ہی، چنانچہ سال زیر روداد مین ۴۳۰ نئے مدرسون اور تیس ہزار ۶ سو ۴۵ نئے طالب علمون کا اضافہ ہوا، ایک دار المعلمین اور ایک دار المعلمات نئے کھلے، ۲۴۲۷ مواضع مین سے جن کی آبادی ۵۰۰ اور ایک ہزار کے درمیان ہی، اور وہان مدارس قائم نہ تھے، سال زیر بیان مین اون مین سے ۲۴۸ موضعون مین مدرسے قائم کردیے گئے، کلیۂ جامعۂ عثمانیہ کے ابتدائی وسطی جماعت مین پہلے سال ۱۲۹ طالب العلم داخل ہوئے تھے، دوسرے سال ۱۰۲ طلبہ داخل ہوئے،

حیدرآباد کی ان چند سالہ تعلیمی رفتار ترقی کا اندازہ ذیل کے نقشہ سے بخوبی ہوگا،

	سنہ ۱۳۲۴ ف	سنہ ۱۳۲۹ ف
لڑکون کے مدارس،	۱۰۵۳	۳۳۰۱
لڑکیون کے مدارس،	۱۱۶	۶۸۵
زیر تعلیم لڑکے،	۷۵۰۰۰	۱۸۴۴۹۸
زیر تعلیم لڑکیان،	۷۵۰۰	۳۲۰۸۵
کل مصارف تعلیم،	۲۰۲۵۰۰۰	۴۳۰۰۰۰۰

اُردو زبان کے مصنفین اور مترجمین کی ہمت افزائی کے لئے افسوس ہو کہ ہم کچھ نہ کرسکے یہان تک کہ کوئی ایسا ہمارا دار الاشاعہ بھی نہین جو مستند اور سنجیدہ کتابون کو بے معاوضہ ہی شائع کرنے کی ہمت کرے، پنجابی زبان خود پنجاب کی بھی علمی زبان نہین، تاہم سکھ اصحاب اوس کو ترقی دینے کی ہر ممکن کوشش کررہے ہین، سکھ ایجوکیشنل کانفرنس نے فیصلہ کیا ہے کہ پنجابی لٹریچر کو ترقی دینے کے لیے سال کی بہترین پنجابی تصنیفات پر انعامات تقسیم کیئے جائین،

آجکل "نیشنلسٹ" کے لیے اکثر ہماری زبان مین "قوم پرست" اور "وطن پرست" اور "نیشنلزم" کے لئے "قوم پرستی" اور "وطن پرستی" کے الفاظ بولے جاتے ہین، چونکہ مذہبی حیثیت سے "پرستش" کے معنی کو خیال کرکے اکثر یہ الفاظ محتاط اہل قلم کو کھٹکتے ہین، جدید ایرانی محاورہ مین ان کی جگہ "قوم خواہ" اور "وطن خواہ" "قوم خواہی" اور "وطن خواہی" "قوم خواہانہ" اور "وطن خواہانہ" استعمال ہوتا ہے، کیا یہ محاورے اُردو مین چل جائینگے؟

معارف کے گذشتہ نمبر مین دنیاے اسلام کے ذہنی انقلاب پر جو مضمون ہم نے شائع کیا تھا، اسلامی ممالک کے اخبارات کی ہر تازہ آمد اون خیالات کی مزید تصدیق کے شواہد بہم پہنچارہی ہی، ٹائمز کا ۱۴ دسمبر کا تار ہو کہ مشہور مصری عالم شیخ عبد العزیز شاویش جو جنگ بلقان کے زمانہ سے اپنی مذہبی خدمات ٹرکی مین انجام دیتے رہے تھے، اور ۱۹۱۸؁ء کی ہنگامی صلح کے بعد جرمنی مین جاکر پناہ گزین ہوگئے تھے، اب وہ مجلس ملیہ کی طلب پر انگورہ آگئے ہین، اور وہان حکومت کے اشارہ اور اعانت سے تبلیغ اسلام اور ضروریات زمانہ کے مطابق مذہبی احکام و مسائل کی تشریح اور احکام و فتاوی کی تدوین کے فرائض انجام دینے کے لیے ایک انجمن کے قیام کا سامان کررہے ہین، جس کی شاخین تمام ممالک اسلامیہ مین ہونگی، ہندوستان مین شیخ موصوف کو لوگ مدینہ یونیورسٹی کی تجویز کے واضع اوّل کی حیثیت سے پہچان لینگے،

مقالات

مسئلۂ وحدت الوجود

کے متعلق

اکابرِ اسلام کے خیالات

(از مولانا عبد السلام صاحب ندوی)

ہمارے شعراء نے اِس مسئلہ کو اگرچہ ہجر و وصل کی داستان کی طرح ایک پامال مضمون بنا دیا ہے، لیکن درحقیقت وہ صرف شاعرانہ تخیل نہیں ہے، بلکہ ایک فلسفیانہ حقیقت، ایک مذہبی عقیدہ، ایک اخلاقی نظریہ، اور ایک تاریخی مسئلہ ہے، جو باوجود گوناگون اشکالات و اعتراضات کے نہایت دلچسپ اور دلاویز ہے،

مسئلۂ وحدت الوجود کی تاریخ | مورخانہ حیثیت سے اِس مسئلہ کو توحید و ثنویت کی مشکلات نے پیدا کیا، اگرچہ یونان میں نہایت قدیم زمانے سے اِس قسم کا ایک دھندلا سا خیال موجود تھا، تاہم سب سے پہلے **زنوفن** نے اِس مسئلہ پر روشنی ڈالی، اور اشراقیین نے اِس سے اخلاقی فائدہ اوٹھایا، یعنی اونھوں نے تمام افراد انسانی میں اشتراک پیدا کرنے کے لیے، تمام افراد کو ایک عام عالم کے مختلف اجزا قرار دیکر، تمام اختلافات کو مٹانا چاہا،

یہودیت اور عیسائیت میں بھی یہی مسائل مختلف صورتوں میں موجود ہیں[1]، لیکن ہنود فلاسفہ نے غالباً سب سے زیادہ اِس مسئلہ کو واضح کیا ہے، ہنود فلاسفہ کے جو مختلف فرقے ہیں اون میں بیدانتیوں کے فرقے کا خاص یہی عقیدہ ہے، اور اونھوں نے اِس عقیدہ کی بنا پر دنیا کی تمام چیزوں کو خواب و خیال قرار دیکر صرف

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا لفظ پنتھزم،

خدا کے وجود کو حقیقی وجود قرار دیا ہے، چنانچہ ابوالفضل آئین اکبری میں لکھتا ہے،

جز ایزد بیچون ہست نداند، و عالم را نمود بے بود انگارند، چنانچہ آدمی زاد در غنودگی خیالی پیکرہا را تماشائی شود، و ہزاران غم و شادی اندوزد، این بیداری را بہ انسان شمارند، یک درخشندہ نور بہ گوناگون اعتبار دگرگون نماہا برگرفت[1]،

صاحب دبستان المذاہب نے اِس عقیدہ کی تشریح اور بھی زیادہ واضح الفاظ میں کی ہے، چنانچہ لکھتا ہے،

اعتقاد این طائفہ آنست کہ جہان و جہانیان نمودے اند بے بود، حقیقت این واجب الوجود است، و او را پرم آتما خوانند، گویند این نمایش وجدائی صور و ترکیب و ہیئات چون سراب و پیکر خواب است،

اس عقیدے پر جو سرسری اعتراضات ہوتے ہیں اوس کا جواب اونھوں نے اِن الفاظ میں دیا ہے،

اگر کسی پرسد کہ ما را در گوہر خود ہیچ شکے نیست از جہت آنکہ یکے دانشمند و یکے نادان و یکے در آسایش و دیگرے رنجور، این چگونہ خیال و نمایش باشد، جواب گویند اگر در خواب نرفتہ، خود را پادشاہ و فرمانروا و پرستار و فرمان پذیر و گرفتار و آزاد، بندہ و خداوند، بیمار و تندرست، و آزردہ و خوش دل و اندوہگین ندیدہ، بسا ہنگام در خواب خوشی و فرح یافتہ، و بسیار ترس و ہراس بر تو بر تو غالب شدہ، در بیگمنت شکے نیست کہ آن جملہ خیال و نمایش است، آنکہ در خواب است اینہمہ را حقیقت می پندارد، و در اے روپا کہ از راجہائے داناست از نامہ نگار پرسید کہ در خواب دیدہ میشود کہ زخمے منکر بر بدن رسیدہ چون از خواب برمے آیم اثرے ازان نمی بینم میدانم کہ خیال بودہ، و اگر در خواب با زنے مباشرت واقع شود در بیداری زیر جامہ لوث می یابم، در شق ثانی چرا اثر میباشد، بعقیدہ این طبقہ بدین گونہ پاسخ دادہ شد کہ آنکہ تو آنرا بیداری پنداری بزعم گیانیان آنہم خوابست و در خواب انگاشتہ کہ بیدار شدم و چہ بسا ہنگام در خواب دیدہ میشود کہ بیدار شدم و آنچہ دیدم در خواب بود، بدین گونہ این بیداری نزد بیدار دلان گیانی خوابے است[2]،

[1] آئین اکبری جلد سوم صفحہ ۲، ۳ [2] یہ پوری تفصیل دبستان المذاہب عقائد بیدانتیان میں مذکور ہے،

یونان اور ہندوستان کے خیالات کے معلوم ہو جانے کے بعد اب سوال یہ ہو کہ یہ عقیدہ مسلمانون مین کیونکر پیدا ہوا؟ مورخین یورپ کا سطحی اور قیاسی جواب تو یہ ہے کہ

یونان اور ہندوستان اس خیال کے ماخذ ہین کیونکہ ہندو اور یونانی دونون ہمہ اوست کے قائل تھے،

یونانی فلسفہ وحکمت تو اسلامی فلسفہ وحکمت کے بدیہی ماخذ ہین، لیکن مسلمانون نے اس عقیدہ کو جس طرح ہندوٗن سے لیا اوس کی صورت وہ یہ بیان کرتے ہین،

کہ جب اسلام عرب سے نکل کر آریہ نسل کے ایرانیون مین پھیلا، تو گو اوس نے بظاہر اون کو مغلوب کرلیا، مگر اون کے آبائی اور پشتینی خیالات پر غالب نہ آسکا، اور اونھون نے تصوف کے پردے مین توحید کو وحدت الوجود کے قالب مین بدل لیا، جو ان کے قدیم عقائد تعدد آلہہ کے مطابق تھا[1]،

لیکن ان دونون باتون کا تاریخی ثبوت ملنا مشکل ہو، کیونکہ یونانی علوم وفنون کی توسیع واشاعت کا جو زمانہ تھا یعنی پہلی دو تین صدیان اوس وقت یہ خیال نہین پیدا ہوا تھا، اس مسئلہ کی ابتدا یا ظہور شیخ محی الدین اکبر کے زمانے سے ہوا جو شیخ سعدی وعراقی کا زمانہ ہے[2]،

ہندوٗن اور مسلمانون کا اختلاط بھی اس زمانے سے بہت پہلے ہو چکا تھا، تاہم ہم کو اس زمانے سے پہلے اسلامی لٹریچر مین اس عقیدہ کی جھلک نظر نہین آتی، لیکن ہم کو اس قیاسی استدلال پر قیاسی اعتراضات کی ضرورت نہین، بلکہ خود اسلامی مورخین کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس عقیدے کا ماخذ یونانی اور ہندو نہین، بلکہ خود اسلام ہی کا ایک فرقہ ہے، چنانچہ اسلام مین یہ عقیدہ جس طرح بتدریج پیدا ہوا اوس کے متعلق علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ مین ایک مفصل مضمون لکھا ہو جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے،

---

[1] حاشیہ بر مقدمہ دیوان غالب جدید از مفتی محمد انوار الحق ایم۔ اے، ڈائرکٹر سر رشتہ تعلیم بھوپال،

[2] شعر العجم حصہ پنجم صفحہ ۱۴۳ بحوالہ حاشیہ مذکور،

اس مجاہدہ، خلوت، اور ذکر سے اکثر حس کا پردہ چاک ہو جاتا ہے، اور امر اللہ کے اون عوالم پر اطلاع ہو جاتی ہو جن کا ادراک صاحب حس نہین کر سکتا، اس کشف کا سبب یہ ہو کہ روح جب حس ظاہر کو چھوڑ کر باطن کی طرف رجوع کرتی ہو، تو حسی احوال ضعیف اور روحانی احوال قوی ہو جاتے ہین، اور ذکر اس مین معین ہوتا ہو، کیونکہ وہ روح کی نشو ونما کے لئے بمنزلہ غذا کے ہو، وہ بتدریج ترقی کے بعد رفتہ رفتہ یہ عالم شہود بن جاتا ہو اور حس کا پردہ چاک ہو جاتا ہو،

صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجاہدے کی یہی حالت تھی، اور ان کرامات سے اون کو کافی حصہ ملا تھا، لیکن وہ لوگ اس طرف توجہ نہین کرتے تھے، امام قشیری نے اپنے رسالے مین جن صوفیون کا ذکر کیا ہو وہ صحابہ ہی کے مقلد تھے، اور اون کے بعد جو صوفی پیدا ہوئے اونھون نے بھی انہی کی تقلید کی،

پھر متاخرین کی ایک جماعت نے کشف حجاب کی طرف توجہ کی، اور اوس کے متعلق اون کی ریاضت کے مختلف طریقے قائم ہو گئے، جب اون کو یہ بات حاصل ہو گئی تو اونھون نے یہ خیال کیا کہ وجود صرف اونکی معلومات تک محدود ہو، اور اونھون نے تمام موجودات کا عرش سے فرش تک احاطہ کر لیا ہو،

متاخرین صوفیہ نے جب اس کشف کی طرف توجہ مبذول کی تو اونھون نے موجودات علویہ وسفلیہ فرشتہ، روح، اور عرش وکرسی کی حقیقت پر بحث شروع کر دی، اسی طرح انہی لوگون مین بعض لوگ وحدت مطلقہ کی طرف گئے، اور اپنے تعقل وتفاریع کے لحاظ سے یہ رائے پہلی رائے سے بھی زیادہ عجیب وغریب ہے،

انہی متاخرین صوفیہ مین جو لوگ محقق ہین وہ کہتے ہین کہ کشف کے وقت بسا اوقات مرید کو اس وحدت کا وہم ہو جاتا ہو، اور اوس کو وہ لوگ مقام جمع کہتے ہین، پھر وہ اس درجہ سے ترقی کر کے موجودات مین تمیز کرنے لگتا ہو، اور اس کو وہ مقام فرق سے تعبیر کرتے ہین، انھین متاخرین صوفیہ مین بعض لوگون نے کشف اور ماوراء حس کے متعلق گفتگو کی تو اس مین غلو کر دیا، اور بہت سے لوگ حلول اور وحدت کی طرف

چلے گئے، اور اپنی کتابون کو اس سے بھر دیا، جیساکہ ہروی نے کتاب المقامات وغیرہ مین کیا، ابن عربی، ابن سبعین، اور ان دونون کے شاگرد ابن عفیف، ابن فارض اور نجم اسرائیلی نے اپنے قصائد مین انہی لوگون کی تقلید کی، ان لوگون کے اسلاف، متاخرین اسمٰعیلی روافض سے جو اپنے اسلاف کے عقیدے کے خلاف حلول اور الوہیت ائمہ کے قائل تھے، میل جول رکھتے تھے، اسلئے ہر ایک نے دوسرے کے مذہب کو قبول کرلیا، اون کا کلام گڈمڈ ہوگیا، اون کے عقائد باہم مشابہ ہوگئے، اور صوفیہ کے لٹریچر مین قطب کا لفظ پیدا ہوگیا جو بعینہ روافض کا عقیدہ ہی، پھر ان کے نزدیک قطب کے بعد ابدال کا درجہ ہے جیساکہ نقبار کے متعلق شیعون کا عقیدہ ہی، ان لوگون نے خرقہ تصوف کی جو اسناد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف کی ہی، وہ بھی اسی قبیل سے ہی،

ان صوفیہ نے فاطمی کے ذکر سے اپنی کتابون کو لبریز کردیا ہی، حالانکہ متقدمین صوفیہ نے نفیاً و اثباتاً اس سے بحث نہین کی ہی، یہ خیال شیعون اور رافضیون کی کتابون سے ماخوذ ہے[1]،

متاخرین صوفیہ مین جیساکہ علامۂ موصوف نے تصریح کی ہی، اسلامی دنیا مین ابن عربی اور ابن سبعین نے مسئلہ وحدت الوجود کا صور پھونکا ہے، اور یہ دونون اسمٰعیلیہ اور باطنیہ فرقہ کے خیالات سے متاثر تھے، لیکن علامہ ابن تیمیہ صرف اسی پر اکتفا نہین کرتے بلکہ ان دونون کو صاف صاف باطنیہ کہتے ہین، چنانچہ الرد علی المنطق مین ایک موقع پر لکھتے ہین،

وما یذکرہ طوائف من الباطنیہ باطنیہ السبعہ کاصحاب رسائل اخوان الصفا و باطنیہ الصوفیہ کابن سبعین و ابن عربی وغیرھما[2]

اور باطنیون کے فرقون مین باطنیہ سبعہ جیسے اصحاب رسائل اخوان الصفا، اور باطنیہ صوفیہ جیسے ابن سبعین اور ابن عربی وغیرہ نے ذکر کیا ہی،

ان تصریحات کے ساتھ اگر اجمالی طور پر باطنیہ فرقہ کی تاریخ بھی پیش نظر رکھی جائے تو اس خیال کی تائید کا ایک عمدہ قرینہ ہوسکتی ہی،

[1] مقدمہ ابن خلدون علم تصوف، [2] الرد علی المنطق صفحہ ۵۱۶ نسخہ قلمی،

اسلام مین ابتدا ہی سے غلاۃ روافض مین متعدد فرقے مثلاً سبابیہ، بیانیہ، جناحیہ، خطابیہ اور نمیریہ وغیرہ پیدا ہوگئے تھے جو حلول و اتحاد کے قائل تھے، سبابیہ کا خیال تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قالب مین خدا کی روح حلول کرگئی ہی، اسلئے وہ خدا ہوگئے ہین، خطابیہ کا اعتقاد تھا کہ حضرت جعفر صادق کے قالب مین خدا کی روح حلول کرگئی ہی، علی ہذا القیاس یہ تمام فرقے ائمہ کے قالب مین حلول روح الٰہی کے مدعی تھے،

اسلام مین ایک اور فرقہ خرمیہ کے نام سے پیدا ہوگیا تھا جو اگرچہ بظاہر مسلمان تھا، اپنے لڑکون کو قرآن مجید کی تعلیم دیتا تھا، اور اپنی آبادیون مین مسجدین بھی تعمیر کرلی تھین، لیکن درحقیقت وہ تمام فرائض اسلام کا منکر تھا، اور تمام محرمات شرعیہ کو مباح سمجھتا تھا، چونکہ یہ تمام حلولیہ فرقے بھی فرائض اسلام کے منکر تھے اور محرمات شرعیہ کو مباح سمجھتے تھے، اسلئے خرمیہ بھی اونھین مین مل گئے،

باطنیہ مذہب کی دعوت کا آغاز ہوا تو اس مذہب کے موسسین مین میمون بن دیصان نے مغرب کا رخ کیا، جہان غلاۃ شیعہ اور حلولیہ نے اس مذہب کا خیر مقدم کیا، اور رفتہ رفتہ اس مذہب کے متعدد داعی پیدا ہوگئے، مثلاً حمدان قرمط کے بھائی ہامون نے ایران مین اس مذہب کی اشاعت کی، ابو حاتم نے ارض دیلم کو اپنی کوششون کا جولانگاہ بنایا، عبید اللہ بن حسن نے قیروان کے اطراف مین اس مذہب کو پھیلایا، اور کتامہ معاندہ اور بہت سے بربر اس مذہب مین داخل ہوگئے، اور اون کے ذریعہ سے وہ بلاد مغرب پر غالب آگیا، مصر مین اخشیدی خاندان حکومت کر رہا تھا، اوس کے بعض ممبر بھی عبید اللہ کی جماعت مین شامل ہوگئے اور ان لوگون نے سنہ ۳۶۲ھ مین داخل مصر ہوکر خاص اپنے اتباع کے لئے ایک شہر آباد کیا، جس کا نام قاہرہ رکھا، غرض رفتہ رفتہ اون کی دعوت تمام دنیائے اسلام مین پھیل گئی اور متعدد سپہ سالار، ولاۃ، اور سلاطین اونکی جماعت مین شامل ہوگئے، ہندوستان ایک دور افتادہ ملک تھا، لیکن ملتان کے لوگ بھی باطنی مذہب مین داخل تھے، چنانچہ سلطان محمود نے ان مین ہزارون اشخاص کو تہ تیغ کردیا،

چوتھی صدی تک اگرچہ یہ مذہب تمام دنیائے اسلام مین پھیل چکا تھا، اوس کی وجہ سے متعدد ہنگامے

برپا ہو چکے تھے، اور لاکھون آدمیون کی لاشین اوس کی بھینٹ چڑھ چکی تھین، لیکن اوس کی تکمیل کا ایک درجہ اور باقی رہ گیا تھا، جس کو حسن بن صباح نے پانچوین صدی مین پورا کیا، اور اس مذہب کی دعوت کا جو قدیم طریقہ تھا اوس کو بدل کر ایک جدید طریقۂ دعوت قائم کیا، یہی وجہ ہی کہ اوس کے اتباع تاریخ مین "اصحاب الدعوۃ الجدیدہ"[1] کے لقب سے پکارے جاتے ہین،

تاریخی حیثیت سے اسی صدی کے بعد اسلام مین وحدت الوجود کا غلغلہ بلند ہوا، اور شعرا نے اسکو اسلامی لٹریچر کا ایک نشہ آور جزو بنا دیا، اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ مسلمانون نے باطنیون سے اس عقیدہ کو سیکھا، اس تاریخی قرینے کے ساتھ اگر امور ذیل کا لحاظ رکھا جائے تو یہ قرینہ اور بھی قوی ہو جاتا ہی،

(۱) یونانی فلسفہ اگرچہ دنیاے اسلام مین پھیل گیا تھا، لیکن وہ ایک چھوٹی سی علمی جماعت تک محدود تھا، اسلئے تمام دنیاے اسلام مین اوس کا اثر نہین قائم ہو سکتا تھا،

(۲) ہندون مین وحدت الوجود کا قائل صرف ایک فرقہ تھا جس کی تعداد محدود تھی، اس کے ساتھ ہند مغلوب و محکوم تھے، اور ایک مغلوب و محدود فرقے کا اثر تمام دنیاے اسلام مین نہین پھیل سکتا تھا، بلکہ ظن غالب تو یہ ہی کہ خود ہندؤن نے ملتان مین باطنیون ہی سے اس عقیدے کو اخذ کیا،

(۳) باطنیہ ابتدا ہی سے ایک پولیٹکل طاقت بنکر تمام دنیاے اسلام مین پھیل گئے تھے، اور خیالات کی عام اشاعت صرف سیاسی اور فوجی طاقت سے ہو سکتی ہے،

(۴) باطنیہ مذہبًا بالکل دہری تھے، قدم عالم کے قائل تھے، نبوت اور شریعت کے منکر تھے، اور تمام محرمات شرعیہ کو مباح سمجھتے تھے، اور یہ تمام مقاصد صرف ایک مسئلہ وحدت الوجود سے حاصل ہو سکتے تھے، اسلئے اونھون نے اسی کو اپنے مذہب کا محور قرار دیا،

اسلام مین اس عقیدہ کی اشاعت کے اسباب، اسلام مین یہ عقیدہ پیدا ہوا تو تصوف کا اصول موضوعہ بنگیا اور

[1] ملل ونحل شہرستانی تذکرہ باطنیہ،

اوس کی اشاعت کے مختلف اسباب پیدا ہو گئے، چنانچہ مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات مین لکھتے ہین،

اکثر ابناے اینوقت بعضے بتقلید و بعضے بمجرد علم و بعضے دیگر بعلم ممتزج بذوق دلوفی الجملہ و بعضے بالحاد و زندقہ دست بدامن این توحید وجودی زدہ اند و ہمہ را از حق میدانند بلکہ حق میدانند و گردن خود را از ربقۂ تکلیف شرعی بالحیلہ میکشایند و مداہنات در احکام شرعیہ مینمایند، و باین معاملہ خوشوقت ومسرور اند، وانقیاد اوامر شرعیہ را اگر اعتراف دارند طفیلے میدانند، مقصود اصلی ورای شریعت خیال میکنند حاشا و کلاثم حاشا و کلا نعوذ باللہ سبحانہ من ہذا الاعتقاد السوء[1]،

اسی مکتوب مین ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہین،

و درین زمان بسیارے ازین طائفہ کہ بزی صوفیان خود را مینمایند توحید وجودی را شائع ساختہ اند و بازار کاسد خود را باین تخیلات رائج داشتہ اند،

ان ملاحدہ، زنادقہ، عوام، مقلدین، اور کم پایہ صوفیون کے علاوہ خواص کا ایک گروہ بھی اس ام مین گرفتار تھا، اور اوس کی نسبت اگر بدگمانی سے کام لیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہی کہ جس طرح خواص کے عقائد و خیالات کا اثر عوام پر پڑتا ہی، اوسی طرح کبھی کبھی خواص بھی عوام کے عقائد و خیالات سے متاثر ہو جاتے ہین، لیکن مجدد الف ثانی اوس کی نسبت حسن ظن سے کام لیتے ہین، اور فرماتے ہین،

بعضے را کثرت مراقبات توحید باین احکام می آرد، و بعضے دیگر را علم توحید و تکرار آن نحوے از ذوق بآن احکام می بخشد، و بعضے دیگر را منشا این احکام غلبۂ محبت است کہ بواسطۂ استیلاء حب محبوب غیر محبوب از نظر محب منحیز د و جز محبوب ہیچ نمی بیند نہ آن کہ در نفس الامر غیر محبوب ہیچ نیست[2]،

انہی خواص کے گروہ مین بعض لوگون نے ذوق، مراقبہ اور محبت کے علاوہ اس مسئلہ پر فلسفیانہ حیثیت سے بھی بحث کی ہی، اور اہل ظاہر، متکلمین، حکما، سوفسطائیہ اور دہریہ نے وجود باری کے

[1] مکتوبات مجدد الف ثانی صفحہ ۵۹ مکتوب ۴۳، [2] ایضاً صفحہ ۴۴ مکتوب ۳۱،

متعلق جو خیالات ظاہر کیے ہین، اون سب پر اس عقیدہ کو ترجیح دی ہی، اور اس کے ذریعہ سے تمام اشکالات وجود کو حل کیا ہی، چنانچہ ہم اس موقع پر اون کے ترجیحی دلائل کا خلاصہ درج کرتے ہین،

(۱) دنیا کی ہر چیز بے شبہہ موجود و معلوم ہی، لیکن اوس کا وجود انتزاعی ہی، جس طرح چار سے زوجیت کا انتزاع کیا جا سکتا ہی، اوسی طرح وجود باری سے زید و بکر کا وجود منتزع ہی، لیکن کسی چیز کے معلوم و محسوس ہونے سے یہ لازم نہین آتا کہ وہ موجود بھی ہو، ایک پیاسے کو سراب پانی کی شکل مین نظر آتا ہی، حالانکہ وہ پانی نہین ہوتا، بعینہ اسی طرح اہل تصوف کے نزدیک دنیا ایک سراب ہی،

(۲) حکما و متکلمین کے نزدیک موجودات کے تین درجے ہین، ادنیٰ، متوسط، اعلیٰ، ادنیٰ درجہ کا موجود وہ ہی جس کا وجود غیر کی وجہ سے ہو، جیسے ممکنات کا وجود، متوسط درجہ کا موجود وہ ہی جس کا وجود خود اپنی وجہ سے ہو جیسے اشاعرہ کے نزدیک خدا کا وجود، اعلیٰ درجہ کا موجود وہ ہی جس کا وجود خود عین ذات ہو جیسے حکما اور محققین متکلمین کے نزدیک خدا کا وجود، لیکن اگر وجود کو صرف خدا کی ذات مین محدود کر دیا جائے، اور اوس کو تمام عالم کے وجود کا منشار انتزاع قرار دیا جائے تو اوس کا وجود اور بھی اعلیٰ و اشرف ہو جاتا ہی، مثلاً زید کا وجود جو جسم نامی، حساس، متحرک بالارادہ، ناطق اور ضاحک کا منشار انتزاع ہی، ان تمام چیزون سے اشرف و اعلیٰ ہے،

(۳) حکما و عقلا نے موجودات کے متعلق جو غلطیان کی ہین اون کو طفلانہ ہوس پرستی نہین قرار دیا جا سکتا، بلکہ اس کی کوئی معقول وجہ قائم کرنی چاہیے، اور یہ وجہ اوسی وقت قائم ہو سکتی ہی، جب وجود کو ذات خداوندی مین محدود کر کے اوس کو تمام موجودات کا منشار انتزاع قرار دیا جائے، مثلاً سوفسطائیہ اس حد تک صحیح کہتے ہین کہ دنیا مین کوئی چیز حقیقی وجود نہین رکھتی، لیکن اوسی کے ساتھ اونھون نے تمام موجودات کے حقیقی منشار انتزاع کو بھی نظر انداز کر دیا، اسلیے کلیۃً تمام موجودات کے منکر ہو کر عالم کو غلطی سے صرف خیالی چیز کہنے لگے، اس کے برعکس دہریون نے صرف موجودات خارجی پر نظر ڈالی، اور اون کے وجود کی نوعیت سے قطع نظر کرلی، اور موجودات کو صرف ممکنات مین محدود کر دیا، مشبہہ نے وجود باری کے

صرف ایک روشن ترین مظہر یعنی جسم کو دیکھا اسلیے اوس کو بھی غلطی سے جسمانی قرار دے لیا، متکلمین نے ممکن اور واجب دونون کو پیش نظر رکھا، لیکن وجہ انتزاع سے غافل ہو گئے، اور دونون کو مستقل وجود قرار دے لیا، لیکن ان غلطیون کا سبب صرف اوسی وقت پیدا ہو سکتا ہی جب وجود کو ایک ذات مین محدود تسلیم کر لیا جائے ورنہ اگر متفاوت الدرجہ مستقل موجودات تسلیم کر لیے جائین تو حماقت کے سوا ان غلطیون کا کوئی سبب نہین قرار دیا جا سکتا،

(۴) حکما کے نزدیک چونکہ خدا کا تعطل محال تھا، اسلیے وہ قدم عالم کے قائل ہو گئے، لیکن صوفیہ کے نزدیک چونکہ ممکنات کی ایجاد بھی خدا کے وجود کا ظہور اور اوس کی تجلی ہے، اسلیے ازل مین کوئی ایسی آن نہین نکل سکتی جس مین خدا کی کوئی شان یا کوئی تجلی نمایان نہ ہو، خدا خود کہتا ہی "کل یوم ہو فی شان" اگرچہ یہ تجلی صرف علمی تجلی ہی، لیکن یہ بھی ایک عالم ہی، اور اسلیے خدا کسی حالت مین معطل نہین رہ سکتا،

(۵) اس عقیدہ کے رو سے رویت باری کا مسئلہ بھی آسانی کے ساتھ حل ہو جاتا ہی، کیونکہ جس شخص نے سراب کو دیکھا ہی، اوس کی نگاہ لازمی طور پر ہوا پر بھی پڑتی ہی، تاہم جب تک ہوا سراب کی صورت مین نمایان نہ ہو اور قوت باصرہ کو علم کا درجہ نہ حاصل ہو جائے اوس کی رویت نہین ہو سکتی، اور یہ درجہ اس دنیا مین صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ خواہش کی تو اون کو جواب "لن ترانی"

(۶) وجود باری کی تجلیات غیر متناہی ہین، جن مین بعض خاص اور بعض عام ہین، معراج مین دوزخ اور بہشت کی صورت مین اوس کی جو تجلیات نمایان ہوئی تھین، رسول اللہ صلعم کے ساتھ مخصوص تھین اور آخرت مین اوس کی عام تجلی ظاہر ہوگی،[1]

اہل ظاہر کی مخالفت کے اسباب،

شریعت علم و عمل دونون کے مجموعے کا نام ہے، لیکن مسئلۂ وحدت الوجود کی وجہ سے

[1] رسالۂ میر محمد ہاشم، وحدت الوجود پر بہت سے صوفیانہ اور فلسفیانہ رسالے لکھے گئے ہین، لیکن ان مین اکثر غیر مفہوم ہین،

اوس کا عملی حصہ بالکل بیکار ہو جاتا ہے، اور انسان کی سعادت صرف حقیقت شناسی اور کمال عرفان مین محدود ہو جاتی ہی، چنانچہ صاحب دبستان المذاہب نے جہان اس عقیدے کا ذکر کیا ہی وہان لکھا ہی،

طاعت و عبادت بضاعت اوہام است، و درکات جہنم و طبقات بہشت در جبت و تناسخ و جزاے کردار ہمہ خیالات است،

و ایشان را عقیدہ آنست کہ ریاضت براے آنست تا بر سالک معلوم گردد کہ جہان نمود بے بود است، و موجود حقیقی خدا است و جز او ہر چہ ہست خیال است کہ از دست کرنی الحقیقت وجود ندارد، نیاز بریاضت ہم نباشد و کمال دران دانند کہ از ریاضت ہم گذرد چہ آن طلب است و تا در طلب است خود را نشناختہ چہ خود عین ذات الٰہی است،

چنانچہ اسلام مین جن لوگون نے اس عقیدہ کی پیروی کی وہ فرائض و عبادات کی پابندی سے بالکل آزاد ہو گئے، اور جیسا کہ ہم مجدد الف ثانی کی عبارت اوپر نقل کر آئے ہین، اون کو شریعت کی پابندیون سے نجات حاصل کرنے کا یہ ایک عمدہ ذریعہ ہاتھ آ گیا، اہل ظاہر کی مخالفت یہین سے شروع ہوتی ہی، اور وہ عملی حیثیت سے اس عقیدہ کو گمراہی و ضلالت کا سب سے بڑا سر چشمہ خیال کرتے ہین، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ الرد علی المنطق مین لکھتے ہین،

نفس مین دو قوتین ہین، ایک قوت علمیہ نظریہ، اور دوسری قوت ارادیہ عملیہ اسلئے اوس کی دونون قوتون کی تکمیل خدا کی معرفت اور خدا کی عبادت سے ہونی چاہیے، لیکن یہ لوگ عبادات کا مقصد نفس کے اخلاق کی اصلاح قرار دیتے ہین، تاکہ وہ اوس علم کے لیے تیار ہو جائے جس کو یہ لوگ نفس کا کمال خیال کرتے ہین، یا اوس کا مقصود اصلاح منزل اور اصلاح مدن قرار دیتے ہین جو حکمت عملی مین داخل ہی، اس بنا پر وہ عبادات کو علم کا صرف وسیلہ خیال کرتے ہین، اسلئے جس شخص نے اس مقصد کو حاصل کر لیا اوس سے عبادات کو ساقط کر دیتے ہین، جیسا کہ ملاحدہ

اسمٰعیلیہ، اور اون لوگون کا خیال ہی جو اس الحاد مین شریک ہین، اور صوفیہ کی طرف منسوب ہین[1]،

اس الحاد اور بیدینی کے ساتھ اسمین شرک کی بعض قسمین بھی پیدا ہوئی ہین، اور قبر پرستی وغیرہ کے لیے ایک حیلہ ہات آجاتا ہی، چنانچہ علامہ موصوف اسی کتاب مین لکھتے ہین،

قرامطہ، اور ملاحدہ باطنیہ، اور وہ جہال جو صوفیہ اور متکلمین مین داخل ہو گئے ہین مثلاً اہل حدۃ الوجود وغیرہ، وہ شفاعت کو اس بات پر مبنی سمجھتے ہین کہ خدا اپنی مشیت اور قدرت سے کچھ نہین کرتا، وہ جزئیات کا عالم نہین، اور عالم مین کسی قسم کا تغیر نہین پیدا کر سکتا، بلکہ عالم اوس کا ایک فیض ہی جو بغیر اوس کی مشیت، اوس کی قدرت اور اوس کے علم کے پہونچا ہی، اس بنا پر جب ایک طالب شفاعت جواہر عالیہ مثلاً عقول، نفوس، ستارے، چاند، سورج یا بعض صلحا کے نفوس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اوس کے ساتھ تعلق پیدا کرتا ہی، تو جب اون پر فیضان الٰہی ہوتا ہی، تو اوس تشفیع کے ذریعہ سے اس طالب شفاعت کو بھی یہ فیضان پہونچ جاتا ہی، مثلاً سورج جب آئینہ پر چمکتا ہی تو آئینہ کی شعاعین منعکس ہو کر دوسرے مقام پر پڑتی ہین، اور وہ اوس سے چمک اوٹھتا ہی،

یہی وجہ ہی کہ یہ لوگ قبرون کے پاس یا قبرون کے علاوہ دوسرے مقامات پر دعاے موتی کو جائز سمجھتے ہین، اون کی طرف متوجہ ہوتے ہین، اور اون سے فریاد کرتے ہین، اور یہ معلوم ہی کہ شفعا کے بارے مین جو کچھ یہ لوگ کہتے ہین، اوس کی وجہ سے جو کفر لازم آتا ہی وہ مشرکین عرب کے کفر سے بھی بڑا ہی[2]،

اس عقیدہ کی بنا پر وحدت صرف ایک ذات مین محدود ہو جاتی ہی، اور انسان صرف ایک لفظ "اللہ" کا ورد کرنے لگتا ہی، بعض صوفیہ یہ لفظ بھی نہین بولتے بلکہ اس کو اسم ضمیر یعنی "ہو" سے تعبیر کرتے ہین، چنانچہ صاحب فصوص نے ایک مستقل کتاب ہی لکھی ہی جس کا نام "کتاب ہو" ہی، لیکن علامہ موصوف کے نزدیک ذکر و فکر کا یہ طریقہ بھی خلاف سنت ہی، چنانچہ اپنے مجموعہ فتاوی مین لکھتے ہین،

[1] الرد علی المنطق صفحہ ۱۳۳-۱۳۴، [2] ایضاً صفحہ ۹۵-۹۶،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً ثابت ہو کہ افضل ترین ذکر لا الہ الا اللہ، اور افضل ترین دعا الحمد للہ ہی، اور جس شخص نے یہ خیال کیا کہ یہ عوام کا ذکر ہی، خواص کا ذکر اسم مفرد اور اخص الخواص کا ذکر اسم مضمر ہی، تو یہ لوگ گمراہ ہین اور غلطی مین پڑے ہوئے ہین، اور بعض لوگون کی یہ دلیل کہ خدا خود کہتا ہو "قل اللہ ثم ذرہم فی خوضہم یلعبون" یعنی کہہ خدا، پھر اون لوگون کو چھوڑ دے کہ اپنے خوض مین کھیلتے رہین، ان لوگون کی بدیہی غلطی ہی، کیونکہ اسم خود استفہام کے جواب مین مذکور ہی، اور وہ خدا کا یہ قول ہو، "قل من انزل الکتاب الذی جاء بہ موسی نوراً وہدی للناس" اس قول تک قل اللہ یعنی اللہ وہ ہو جس نے اوس کتاب کو اوتارا جس کو موسیٰ لائے، پس اسم مبتدا ہے، اور اوسکی خبر پر استفہام نے دلالت کر دی ہو، لیکن اسم مفرد چاہے مظہر ہو یا مضمر نہ وہ کلام تام ہے، نہ جملہ مفیدہ، نہ اوس کے ساتھ ایمان کا تعلق ہو، نہ کفر کا، نہ امر کا، نہ نہی کا، اوس سے قلب کو نہ کوئی معرفت مفیدہ حاصل ہو سکتی، نہ کوئی مفید حالت، بلکہ تصور مطلق حاصل ہوتا ہو، جس پر قلب نفی و اثبات کسی چیز کا حکم نہین لگاتا، اور جن لوگون نے اس ذکر پر مواظبت کی اون مین بعض الحاد و اتحاد مین مبتلا ہوگئے [1]،

| جمع بین الحقیقۃ والشریعۃ، | اگرچہ عام طور پر تمام صوفیہ توحید وجودی کے نشے مین سرشار ہین، لیکن حضرت مجدد الف ثانی

توحید شہودی کے قائل ہین، اور اس کو عقل اور شریعت کے موافق اور توحید وجودی کو ان دونون کے مخالف سمجھتے ہین، چنانچہ اپنے ایک مکتوب مین لکھتے ہین،

بس توحید وجودی کہ نفی ماسوائے ایک ذات است تعالیٰ و تقدس با عقل و شرع در جنگ است بخلاف شہودی کہ در یکے دیدن ہیچ مخالفت نیست مثلاً در وقت طلوع آفتاب ستارہ ہارا نفی کردن و معدوم دانستن مخالف واقع است اما ستارہا را ناپیدا دیدن ہیچ مخالفت ندارد، دیدن بواسطہ غلبہ ظہور نور آفتاب است و ضعف بصر سالک اگر بصر رائی بنور جان آفتاب مکحل شود توحید کہ ستارہا را از آفتاب جدا بیند و این دید در حق الیقین است [2]،

حضرت مجدد الف ثانی کے نزدیک توحید شہودی کے بغیر فنا کا درجہ حاصل نہین ہو سکتا، چنانچہ اسی مکتوب مین لکھتے ہین،

[1] فتاوی ابن تیمیہ جلد دوم صفحہ ۲۴۱ و ۲۴۲
[2] مکتوبات مجدد الف ثانی مکتوب جلد اول

توحید شہودی از ضروریات این راہ است چہ فنا بے این توحید متحقق نمیشود و عین الیقین بے آن میسر نمی شود زیرا کہ رویت یکے باستیلا او مستلزم عدم رویت ماسوائے اوست،

لیکن علامہ **ابن تیمیہ** کے نزدیک فنا کا یہ درجہ بھی نقص سے خالی نہین، چنانچہ اپنے فتاوے مین ایک موقع پر لکھتے ہین، فنا کی دوسری قسم یہ ہو کہ شہود ماسوائے فنا ہو اور فنا کا یہ درجہ بہت سے سالکون کیلئے حاصل ہو جاتا ہو کہ اونکا دل خدا کے ذکر خدا کی عبادت، اور خدا کی محبت کی طرف شدت سے کھینچ جاتا ہو، اور اونکے قلب مین یہ قوت نہین ہوتی کہ غیر معبود کو دیکھ سکے، اور غیر مقصود پر نگاہ ڈال سکے، اونکے دل مین خدا کے سوا کوئی چیز نہین کھٹکتی، یہی وہ مقام ہو جہان ایک قوم کے قدم ڈگمگا گئے ہین، اور اون لوگون نے خیال کر لیا ہو کہ یہ اتحاد ہو اور عاشق و معشوق متحد ہو گئے ہین، یہان تک کہ اونکے وجود مین کوئی فرق باقی نہین رہا ہی، لیکن یہ غلطی ہو، خالق کے ساتھ کوئی چیز متحد نہین ہو سکتی، بلکہ کوئی چیز دوسری چیز سے اوس وقت تک متحد نہین ہو سکتی جب تک وہ دونون بدل نہ جائین، اور اونکے اتحاد سے تیسری چیز نہ پیدا ہو جائے جیسا کہ دودھ پانی اور پانی اور شراب متحد ہو جاتے ہین، البتہ مراد محبوب اور مکروہ متحد ہو سکتے ہین، اور اون کے ارادہ اور کراہت مین اتفاق ہو سکتا ہو، اسلئے جس چیز کو ایک محبوب رکھتا ہو دوسرا بھی اسکو محبوب رکھ سکتا ہو، جس چیز کو یہ مبغوض رکھتا ہو، دوسرا بھی اسکو مبغوض رکھ سکتا ہو، لیکن اس قسم کی فنا نقص سے خالی نہین اور اکابر اولیاء مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی، حضرت عمر بن الخطاب، اور سابقین اولین مہاجرین و انصار بھی اس فنا مین نہین پڑے چہ جائیکہ انبیاء، یہ درجہ صحابہ کے بعد پیدا ہوا، اسی طرح جن چیزون سے عقل و تمیز گم ہو جاتی ہو وہ دور صحابہ کے بعد پیدا ہوئین صحابہ کرام احوال ایمانیہ مین اس سے کامل تر، اس سے قوی تر، اس سے محکم تر تھے، کہ اون کی عقلین گم ہو جائین، یا اون پر غشی، مدہوشی یا نشے کی حالت طاری ہو جائے، ان چیزون کی ابتدا دور تابعین مین عباد بصرہ سے ہوئی [1]،

ان تمام اقوال سے ثابت ہوتا ہو کہ توحید وجودی خود بعض محققین صوفیہ کے نزدیک عقل اور شریعت کے مخالف ہی، توحید شہودی بے شبہہ اون کے نزدیک ایک بے داغ چیز ہی، لیکن اہل ظاہر اس پر بھی راضی نہین ہو سکتے،

[1] فتاوی ابن تیمیہ جلد دوم صفحہ ۲۲۸،

دوسرا نایاب دیوان

(۲)

ازجناب مولنا حبیب الرحمن خان حسرت شروانی، صدرالصدور دولت آصفیہ،

طالب آملی دربار جہانگیری کا ملک الشعرا تھا، اس کا کلام عام طور پر نایاب ہی، مجھکو اس کے دیوان کے دو نسخے ملے، ایک ابتداءً دلّی سے، یہ نسخہ معمولی خط کا بہت غلط ہی، مگر اکثر جگہ غلطی سمجھ مین آجاتی ہی، کثرت کلام کے لحاظ سے قابل قدر ہے،

دوسرا نسخہ لکھنؤ سے دستیاب ہوا، اہتمام تحریر کے لحاظ سے نادر ہے، مین یہین تک اسکی قدر کرتا تھا مرحوم علامہ شبلی نے طلب فرماکر عرصہ تک زیر مطالعہ رکھا، ان کی جوہر شناس نظر نے اس کا خاص جوہر پرکھا ع قدر جوہر شاہ داند یا بداند جوہری ؛ واپس فرمایا تو لکھا کہ یہ نسخہ خود طالب آملی کی تحریر و ں مزین ہی، مین نے بھی اسے خیال سے دیکھا تو علامہ کی رائے کو صحیح پایا، دلائل حسب ذیل ہین،

اس نسخہ کے کاتب نے اپنا نام میرزا جان اجمیری لکھا ہی، سنہ کتابت نہین لکھا، عموماً قصائد وغیرہ کے عنوان اصل کاتب نے نہین لکھے، جابجا خصوصاً غیر مانوس ردیفون کے موقع پر متن مین ایک غزل دو غزل کے اندازے بیاض چھوٹی ہوئی ہے، اصل کاتب کی تحریر باستثنار آخر کی چند رباعیون کے پختہ نستعلیق ہے، جو عنوان قصائد کے خالی ہین ان کے عنوان، بعض رباعیون کے عنوان، ان بیاضون مین (جو اصل کاتب نے چھوڑین) بعض غزلین ایک اور قلم کی لکھی ہوئی ہین جو اصل کاتب کے قلم سے صاف طور پر ممتاز ہی، قصائد کے عنوان اس نہج سے لکھے گئے ہین کہ یہ واضح ہوتا ہی کہ کاتب ممدوح کا ہمعصر اور متوسل ہی، مثلاً طالب کے مربی میرزا غازی ترخان (امیر جہانگیری) کی شان مین جو قصائد ہین ان کے عنوانون مین کسی جگہ سرخ روشنائی سے تحریر

"در مدح مرحومی میرزا غازی ترخان" - ایک جگہ لکھا ہی، در مدح نواب مرحومی غازی ترخان"، جہانگیر بادشاہ کی مدح کے ایک قصیدہ کا عنوان ہی، "در مدح حضرت ظل الٰہی مدّاللہ ظلہ" ایک اور قصیدہ کا عنوان "بمدح مدظلہ" اعتماد الدولہ وزیر جہانگیر طالب کا رشتہ دار تھا، اس کی مدح کے قصیدہ کا عنوان ہی "در مدح نواب قبلہ گاہی ام اعتماد الدولۃ العلیۃ مدظلہ" دوسرے قصیدہ کا عنوان ہی "بمدحہ مدظلہ" نورجہان کے ایک مدحیہ قصیدہ کا عنوان ہی "در مدح مہد علیا نور محل بیگم گفتہ شد" علیٰ ہٰذا القیاس۔

ان عنوانون سے معاصرت اور تعلق دونون ثابت ہوئے ہونگے، نورجہان کی مدح کے قصیدے کا عنوان اس وقت لکھا گیا جب تک وہ نور محل تھی نورجہان نہوئی تھی، یہ تمام عبارتین سرخ قلم سے ایک ہاتھ کی لکھی ہوئی ہین، ایک اور خصوصیت ہی، بعض ردیفون کی تکمیل اسی قلم سے ان بیاضون مین ہی جو کاتب نے چھوڑ دی تھین معلوم ہوا کہ اصل کاتب کو یہ غزل نہ ملی تھی یا موزون نہوئی تھی، اور اس کے انتظار مین یہ بیاض چھوڑی گئی تھی، اسی قلم سے جابجا اصلاحین ہین اصلاح کی بحث تفصیل سے آگے آتی ہی،

سوال یہ پیدا ہوتا ہی کہ خط و قلم کس کا ہی، جواب قطعی یہ ہے کہ خود طالب آملی کا کیونکہ اس وجہ سے کہ حاشیہ پر جابجا نیز متن مین اسی قلم کا لکھا ہوا طالب کا کلام ہے جس پر لکھا ہی، "سراقمہ" معلوم ہوا کہ قائل کلام و راقم کلام ایک ہی ہی، اور یہ مانی ہوئی اصطلاح ہی، ان غزلون کے مقطعون مین لفظ "طالب" کی شان تحریر عموماً یہ ہے "طالب" دوسری دلیل یہ ہی کہ بہت سی اصلاحین اسی قلم کی ایسی ہین جو تصحیح کتابت نہین بلکہ اصلاح کلام ہین، معلوم ہوا کہ خود طالب نے اپنے کلام مین اصلاحین نظر ثانی کے وقت کی ہین، ان دلائل کی بنیاد پر یہ کہنا بجا ہی کہ یہ دیوان بطور بیاض کے خود طالب کے لئے لکھا گیا تھا، جو اس کے پاس رہا اور وقتاً فوقتاً اس کے قلم سے فیضیاب ہوتا رہا، ایسے نسخہ پر ہر کتاب خانہ فخر کر سکتا ہی؛ میرے کتابخانہ کو یہ سرمایۂ فخر علامہ شبلی مرحوم کی

جوہر شناس نظر کے فیض سے حاصل ہوا، رحمہ اللہ تعالیٰ،

طالب کا خط پختہ شفیعہ ہی اور قلم باریک،

اصلاحین، اصلاحین بجائے خود سرمایۂ ندرت ہین، بعض تو محض کتابت کی تصحیح ہین کہین کاتب سے لفظ چھوٹ گیا تھا، اضافہ کر دیا ہی، کہین لفظ غلط لکھ گیا تھا کاٹ کر صحیح کر دیا ہی، کہین مصرعے ردو بدل ہو گئے تھے وہان خط کھینچکر ایک شعر کے دونون مصرعون کو مربوط کر دیا ہی، علیٰ ہذا القیاس، قابل دید وہ اصلاحین ہین جو کلام مین کی گئی ہین، ان اصلاحون نے پایۂ کلام بلند سے بلند تر کر دیا ہی، اس سے طالب کی قوت طبیع کا اندازہ ہوتا ہی، مثالاً دو چار نمونے ملاحظہ ہون،

ایک قطعہ ہی جس کا قافیہ ہی تاجداری، خاکساری اسکا ایک شعر ہی،

تب غیرتم سوخت یاران چہ سازم ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ بلائی است در آدمی جزو ناری

ایک دو بار پڑھکر دیکھئے کہ کہین جوڑ بند ڈھیلے تو نہین، اب اصلاح دیکھئے، مصرع اوّل

ع تب غیرتم در عرق دار دارے، اندازہ کیجئے گرمیٔ کلام کس درجہ پر پہنچ گئی، تب کے واسطے عرق، مصرع جوئے بلاغت مین غوطہ کھا کر نکھر گیا،

ایک اور شعر ہے ؎

دست ہوس قوی شدہ در کشورِ وجود ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ترسم کہ عیش رختہ بناموس غم کند

اول مصرع مین اصلاح ہوئی ع دست ہوس قوی شدہ بازوئے دل ضعیف، ایک بار غیر اصلاحی مصرعہ کو مکرر پڑھکر اصلاح شدہ سے مقابلہ کیجئے، کڑی کمان کا زور محسوس ہونے لگیگا،

تیسرا شعر ؎

چنان گداختہ جوشِ خیال طالب را ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کہ مومو شدہ چون طبع خویشتن نازک

اصلاح مین، طبع، کا لفظ، فکر، سے بدل دیا گیا، نزاکتِ فکر داد طلب،

چوتھا شعر ؎

گردید آب دیدۂ طالب چمن شناس ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ زین پس حرام گشت بہ شبنم وضوئے گل

مصرع اول مین اصلاح ہوئی، بجائے "گردید" کے "شد باز" اب مصرع یہ ہی ع شد باز آب دیدۂ طالب چمن شناس، غور کیجئے مضمون مین کس قدر وسعت پیدا ہو گئی، گردید سے یہ مفہوم ہوتا تھا کہ آب دیدہ اول مرتبہ چمن شناس ہوا ہی اور آغاز گریہ وزاری ہی، "باز شد" سے یہ مفہوم ہوتا ہی کہ پہلے بھی یہ چشمہ روان رہ چکا ہی، درمیان مین خزان تھی تو رک گیا تھا بہار آئی تو پھر جاری ہوا جب رکا ہوا تھا تو مجبوراً پھول شبنم سے وضو کرتے تھے، اب روانی آگئی تو دارالافتائے محبت سے فتویٰ جاری ہوا کہ آب آمد تیمم برخاست، ما رکثیر کے ہوتے ہوئے اس سے پیاس کیون بجھائی جائے، لہذا روانی آب کے لئے "باز" للہ درہٗ، اگر آپ "چمن شناس" "باز شد" "وضوئے گل" "شبنم" ان الفاظ پر فرداً فرداً اور دوبارہ بحیثیت مجموعی غور کرینگے تو پورے مضمون کی تصویر آنکھون کے سامنے آجائیگی، اب طالب کی دو غزلین پوری سن لیجئے اس کے بعد طالب رخصت ہوتا ہون،

علامہ **شبلی** نے طرز طالب کی خصوصیت حسب ذیل الفاظ مین بیان فرمائی ہی، "ندرتِ تشبیہ و لطفِ استعارہ" میرا خیال ہی کہ "سرخوشی و نزاکت" (جو دربار جہانگیر و نورجہان کا طرۂ امتیاز تھی) کلام طالب کی شان امتیاز ہی، دیکھو عرفی و طالب دونون کشمیر دیکھتے ہین، اس کی روح پرور ہوا اور رنگ بہار سے متاثر ہوتے ہین، دلی خیال الفاظ شعر مین تراوش کرتا ہی، عرفی کہتا ہی ؎

ہر سوختہ جانے کہ بکشمیر در آید، ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ گر مرغ کباب است کہ با بال و پر آید

طالب زمزمہ سنج ہوتا ہی ؎

فیض پیالہ بخشد آبِ ہوائے کشمیر ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ از خشتِ خم نہادند گویا بنائے کشمیر

دو غزلین سنائی تھین مضمون مین مضمون پیدا ہو گیا، ان غزلون مین طالب کا اصلی رنگ صاف نمایان

غزل

بهار آمد که گردد جسم و جان مست — شود دل مست چون بلبل زبان مست
بهار آمد که از بوئے گل دمے — زمین بیهوش گردد آسمان مست
چرا مستانه می غلطد بهر سوے — بجد ول نیست گر آب روان مست
ازان پیمانه کا مداؤلین دور — زکم ظرفی شدم از بوئے آن مست
نشد تغییر در کیفیتم هیچ — همان مستم همان مستم همان مست
زمانے نیست کز گلبانگ شوقم — نیفتد بلبلے از آشیان مست
چو برستان نباشد هیچ تکلیف — چرا طالب نباشم جاودان مست

مقطع سے اوپر کا شعر کس قدر نادر اور بلیغ ہی، بلبل کے مست کرنے کے واسطے جو نوا ہی وہ بھی گلبانگ ہی، نظیری نے بھی اس مضمون کو لیا ہی مگر اپنے رنگ مین ؎

غزل دیگر

بزیر شاخ گل افعی گزیده بلبل را — نواگران نخورده گزند را چه خبر
کرشمه نازک و لب نازک و سخن نازک — زفرق تا بقدم همچو طبع من نازک
کسیکه دید بنا گوش او شبے در خواب — نبایدش بنظر برگ یاسمن نازک
بعهد ناز کی لاله زار عارض او — گمان مبر که گلے روید از چمن نازک
هزار سوزن اشکم فزود بر مژگان — کسے که بر تن او دوخت پیرهن نازک
فغان که از گل و آب صنم نمی جوشد — کرشمه که شود طبع برهمن نازک
مگر ز غمزهٔ شیرین به تیشه داد الماس — که لوح فتنه تراشید کوهکن نازک
چنان گداخته جوش خیال طالب را — که مو بمو شده چون فکر خویشتن نازک

دیکھنا پانچوین شعر مین کتنی دور کی بات کہہ گیا - والسلام بالاکرام

"ماہیت اشیا"

"نظریۂ اضافیت"

"جرمنی کے پروفیسر آئنسٹین کا مشہور و معروف نظریہ اور اسکا مختصر حال"

از

جناب مولوی محمد نصیر احمد صاحب ایم-اے-بی-ایس سی مددگار پروفیسر طبیعیات جامعہ عثمانیہ

سولہ برس ہوئے کہ جرمنی کے پروفیسر آئنسٹین نے ایک نئے نظریہ کی بنیاد ڈالی جس کا موضوع اشیار کی ماہیت تھی - اس نظریہ کی نسبت لوگون کا یہ خیال تھا اور شاید اب بھی ہو کہ وہ نیوٹن اور اقلیدس کے بنا کردہ نظام کو باطل قرار دیتا ہی، پروفیسر موصوف کا اس وقت یہ قول تھا کہ اس مسئلہ کا طرز بیان ہی کچھ ایسا نرالا اور عام طرز بیان سے اس قدر مختلف تھا کہ ماہرین فن مین سے شاید بارہ ہی نفوس اس کی تہ کو پہنچ سکے اور اس کی حقیقی قدر و منزلت کر سکے،

آئنسٹین کے اس نئے نظریۂ اضافیت مین مکان، زمان، تجاذب کی مناسبت سے بحث کی گئی ہی، مشہور انگریزی عالم سائنس سر اسحٰق نیوٹن کے وقت سے اب تک علوم طبیعیات مین جو ترقیان ہوئی ہین ان مین یہ نظریہ عظیم ترین ترقی سے موسوم کیا گیا ہی، کیونکہ طبیعیات کی بنیاد جن چیزون پر ہے وہی اس کا موضوع ہین، اخبارات و رسائل نے اس نظریہ کو انقلاب انگیز قرار دیا، لوگون کی نظرین اسی لئے اس کی طرف اٹھ گئین اور زیادہ دلچسپی کا سب سے بڑا سبب اس لئے ہوا کہ ان اخبارات کے بیان کے مطابق دنیا مین صرف بارہ اشخاص اس نئے نظریہ کو کما حقہ سمجھ سکے ہین، اس نئے نظریہ کی جتنی شرحین لکھی گئین ان سے بارہ نفوس کے اس محدود دائرہ مین چندان وسعت پیدا نہین ہوئی،

شروع شروع مین اگر ناظرین کو اس نظرئے کے سمجھنے مین دقت ہو تو ذرا صبر سے کام لین، بہت جلد قطعی طور پر یہ بتلانے کی کوشش کیجائیگی کہ نظریۂ آئنسٹین کیا ہی، اور اس سے کیا نتائج پیدا ہوتے ہین لیکن چونکہ یہ مضمون کسی قدر نامانوس ہی خصوصًا ہندوستان کی مشترک زبان (اردو) کے جاننے والون کے لئے، اس لئے افہام مطلب کے لئے مزید تمہید کی ضرورت ہی:-

جب ہم کسی واقعہ یا مظہرِ قدرت کی توجیہ کرنا چاہتے ہین، تو یہ توجیہ چار حصون پر منقسم ہو جاتی ہے، سب سے پہلے ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہین کہ وہ واقعہ **کب** وقوع مین آیا، اس کی کیا **کیفیت** تھی، اس کی **ماہیت** کیا ہی، اور پھر ایسا **کیون** ہوتا ہی، مضمون کے سمجھنے مین سہولت پیدا کرنے کی غرض سے ہم نظریہ کی "کیفیت" پر زیادہ زور نہین دینگے بلکہ "کیا" اور "کیون" کا زیادہ لحاظ رکھینگے، اور درحقیقت جب ہم اس امر پر غور کرتے ہین کہ دنیا مین صرف بارہ اشخاص اس کی ریاضیت کو سمجھ سکے تو یقینًا ذہن انسانی کی قدر و منزلت ہماری نگاہون مین بہت بڑھجاتی ہی، بہرحال ہمارے مضمون کے لئے جو چیزین زیادہ کار آمد ہین وہ صرف وہی نتائج ہین جو اس قدر ریاضیت استعمال کرنے کے بعد حاصل ہوئے نیز ہمارے مفید مطلب صرف یہ امر ہے کہ اس سے علوم طبیعیات اور ان کے فروع پر کیا اثر مترتب ہوتا ہی،

نظریہ کا اثر

نظریۂ اضافیت کو عام زبان کا جامہ پہنانا، اگر ہوشیاری سے کام نہ لیا جائے تو یقینًا بہت دشوار ہو جاتا ہی، یہ ہو سکتا ہی کہ ہم ریاضیات کو اس بنا پر نظر انداز کر دین کہ جمہور کو اس سے زیادہ دلچسپی نہین، جمہور کو تو اس سے بحث نہین ہوا کرتی کہ ایک مشین بنائی کیونکر جاتی ہے، بلکہ جب انکے سامنے ایک نئی بنائی مشین آتی ہی تو ان کی تمنا یہ ہوا کرتی ہی کہ دیکھین اس مشین سے کیا کیا چیزین تیار ہو سکتی ہین، ان کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ مشین کی ساخت کا اصول ان کے سامنے پیش کر دیا جائے تفصیلات و جزئیات سے ان کو غرض نہین ہوتی، ہمارا نظریہ بھی گویا ایک مشین ہی جو نئی بنائی ہمارے سامنے موجود ہی اب اگر جمہور کے نقطۂ نظر سے اس کو دیکھئے تو واقعی اس عجیب و غریب اور انقلاب انگیز

نظریہ نے کوئی عملی نتیجہ پیدا نہین کیا اور اگر کچھ کیا بھی ہی تو اس قابل نہین کہ شمار کیا جائے،

نظریۂ اضافیت کو اگر چند لفظون مین بیان کرنا چاہین تو یون کہہ سکتے ہین کہ اس کا دعوی ہی کہ ہم طبیعیاتی تجربات کی مدد سے مکان مین کسی جسم کی رفتار مطلق کو دریافت نہین کر سکتے، اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ رفتار کے دریافت کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی معیار ہی نہین، بلکہ حقیقت یہ ہی کہ طبیعیاتی نظریون مین ہم مکان مطلق سے بحث ہی نہین کرتے، وہان تو زیر بحث مظاہر فطرت کے بے شمار تعلقات مین سے مکان کو بھی ان تعلقات کا ایک پہلو سمجھا جاتا ہی،

مثال اس کی یون سمجھنا چاہئے کہ کسی دریا مین ایک کشتی ۴ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے روان ہی، ایک آدمی اس کے تختے پر اسی سمت ۱ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے روان ہی، تو اب ساحل کی نسبت سے اس شخص کی رفتار کیا ہوگی، یعنی اگر ساحل پر ایک دوسرا شخص کھڑا ہو تو اس کے نزدیک اس متحرک شخص کی رفتار کیا ہوگی؟ آپ جواب دینگے کہ ۵ میل فی گھنٹہ لیکن آئنسٹین کا ماننے والا یہ کہیگا کہ نہین پورے پانچ میل نہین ہوگی، لیکن پانچ میل سے ایک آدھ انچ کم ہی ہیگی یعنی صرف ۹۹۹۹۹ ۹۹۹۹۹۹۹,۴ میل فی گھنٹہ، یا ایک دوسری مثال لیجئے،

ریلون پر انجنیر اور ڈرایور اپنی گھڑیان اسٹیشن کی گھڑی سے درست کرتے ہین، جب اسٹیشن کی گھڑی مین بارہ بجتے ہین تو موخر الذکر کی گھڑیون مین کیا وقت ہوگا! آپ یہی کہینگے کہ ٹھیک بارہ بجینگے، لیکن اضافیت ہم کو یہ بتاتی ہی کہ اس مسئلہ کا جواب اس وقت تک نہین دیا جاسکتا جب تک کہ ہم کو ریل گاڑی کی لمبائی اس کی رفتار، اسٹیشن سے اس کا فاصلہ اور خود سائل کا مقام اور رفتار معلوم نہ ہو، آپ کہینگے کہ ان خرافات کو جواب سے کیا علاقہ؟ لیکن اضافیت کا یہی فتوی ہی کہ باہم ان مین علاقہ ہی۔ اگرچہ یہ ضرور ہے، کہ اس طرح صحت کے ساتھ ہم جو وقت معلوم کرینگے اور مشہود وقت دونون کے درمیان تفاوت بہت ہی قلیل ہوگا یعنی ایک ثانیہ کا کوئی سنکھوان حصہ ہوگا؛

یہان یہ امر ظاہر کردینا ازبس ضروری ہی کہ جب کسی مسئلہ مین رفتارون کی مقدار وہ ہو جس سے ہم اپنی روزمرہ کی زندگی مین روشناس ہین، یا جس کو ہم اپنے علمی تجربات اور فلکی مشاہدات مین پاتے ہین، تو نظریۂ اضافیت کا اثر ان پر قریب قریب نفی کے ہوتا ہی کیونکہ اس کی رو سے جو فرق پیدا ہوگا وہ اس قدر قلیل بلکہ اقل ہوگا کہ اس کا شمار بھی ممکن نہ ہوگا، لیکن جب ہم کو مادّی اجسام کی ان رفتارون سے سابقہ پڑتا ہی جو نور کی رفتار (۱۸۶۰۰۰ میل فی ثانیہ) کے لگ بھگ ہین تو اس وقت نظریۂ مذکور ایک خاص اہمیت اختیار کرلیتا ہی، ماہرین فن اپنے معملون مین جو تجربے کرتے رہتے ہین اس قسم کی رفتارون کا تعلق صرف انھین سے ہی، اس مضمون کے مقاصد کا لحاظ کرتے ہوئے اتنا ہی بیان کردینا کافی ہی کہ ایسے تجربون سے نظریۂ اضافیت کی پوری تصدیق ہوتی ہے،

مضمون کے آغاز مین یہ ذکر ہوچکا ہی کہ یہ نظریہ انقلاب انگیز ہے، اس کے بعد گریز کرکے ہم نے اس کی ریاضیات پر اظہار خیالات کیا، اور اس پر یہ تنقید کی کہ اس کے عملی نتایج قابل التفات نہین پس اب مناسب ہی کہ اس کی اصل اہمیت ذہن نشین کیجائے،

نظریہ کی اہمیت حسب ذیل تین طریقون سے ہم اس کی اہمیت کا اندازہ کرسکتے ہین،

اولاً، اگرچہ اس نظریہ کے اثرات جیسا کہ اوپر بیان ہوا عملی زندگی کے ان پہلوؤن مین جن کا طبیعیین نے اچھی طرح مطالعہ کیا ہے، نہایت ہی قلیل اور ناقابل التفات ہین، تاہم ایک زمانہ ایسا آسکتا ہے کہ اس قسم کے آلات ایجاد ہون اور ایسے تجربے کئے جائین کہ یہی قلیل "اضافی اثرات" کثیر معلوم ہونے لگین، چنانچہ سائنس دانون اور انجنیرون نے برقی صنعت کی جو عظیم الشان عمارت قائم کی ہے آپ جانتے ہین کہ اس کی بنیاد کیا تھی؛ محض یہ کہ جب کہربا کو رگڑتے ہین تو اس مین ہلکی چیزون کے کھینچنے کی قوت پیدا ہوجاتی ہے، قدیم یونانیون کو بھی اس واقعہ کا علم تھا جو بظاہر کتنا ادنی معلوم ہوتا ہے،

ثانیاً، اس نظریہ کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ بہت سے مظاہر فطرت جو اب تک ناقابل توجیہ تھے اس کی روشنی مین صاف نظر آنے لگتے ہین، مانا کہ یہ مظاہر عملی نقطۂ نظر سے کوئی حیثیت نہین رکھتے، چنانچہ ان کے سمجھنے کے لئے بھی علم مناظرہ و برق کے مبادیات کا جاننا ضروری ہے لیکن حقیقت یہ ہی کہ ایسے مظاہر کا وجود ہے اور اس نظریہ سے ان کی توجیہ ہوجاتی ہے، علوم مین ترقی کا ہمیشہ یہی حال رہا ہے کہ اس کی ابتداء نہایت حقیر ہوتی ہے اور انتہا بہت عظیم الشان، چھوٹے چھوٹے اسباب ہی بڑے بڑے نتایج کی علت ہوا کرتے ہین،

ثالثاً، اس کی اہمیت کا راز یہ ہے کہ اس کی روشنی مین وہ مظاہر فطرت جو اب تک علحدہ علحدہ تصور کئے جاتے تھے، سب کے سب ایک نظام واحد مین منسلک نظر آنے لگتے ہین، طبیعیات نے ہمیشہ اسی طرح ترقی کی ہے، اور ہر کامیاب علمی نظریہ ہم کو فطرت کی وحدت سے قریب کردیتا ہے، بیجا نہ ہوگا اگر علماء سائنس کو اُن سراغ رسانون سے تشبیہ دیجائے جو اشرار کے کسی گروہ کی کارروائیون کی تحقیقات مین مصروف ہون، اور جن کی کوشش یہ ہو کہ وہ کسی طرح "ابوالاشرار" یعنی ان کے سرغنہ کو گرفتار کرلین، ان اشرار مین سے جو زبردست ہوتے ہین ان کی کارروائیون کو تو مفتشین کا یہ گروہ صرف اسی نظر سے دیکھتا ہی کہ ان سے ان کے سرغنون کا پتہ کیونکر چل سکتا ہے، یہ سرغنے ہر کس وناکس کے قبضے مین تو آتے نہین، وہ بڑے ہوشیار اور چالاک ہوتے ہین، لیکن ایک ماہر مفتش صرف انگوٹھے کے نشان ہی سے، یا نقش قدم کے ہونے ہی سے بہت کچھ اخذ کرلیتا ہے، اور جب کوئی ابوالاشرار گرفتار ہوجاتا ہے تو قانون اور اس کے علم بردارون کو بہت سی اُن عجیب اور خفیف باتون کا بھید معلوم ہوجاتا ہی جو اس سے پیشتر کسی طرح سمجھ مین نہین آتی تھین،

یہی حال آئنسٹین کا سمجھنا چاہئے، اس نے دیکھا کہ طبیعیین تمام مظاہر قدرت کی توجیہ و تشریح مکان، زمان، جمود[۱]، تجاذب، نور، اور برق کے مفہومات کی اضافت کرنے کی کوشش مین

[۱] یعنی اشیاء کی وہ طبعی قوت جو ان کو علی حالہ قائم رکھتی ہی جب تک کہ کوئی خارجی قوت اثر کرکے اس کی حالت کو بدل نہ دے،

مصروف ہین، اس لئے یہ بتایا کہ مکان، زمان، جمود، تجاذب وغیرہ سب کو ہم ایک حقیقت واحدہ کے مختلف رخون سے تعبیر کرسکتے ہین، اس واحد حقیقت کو وہ مکان، کہتا ہی، اس مکان مین بجائے ابعاد ثلاثہ کے وہ پانچ یا چھ بُعد مانتا ہے، اسی وجہ سے اس کا مفہوم ذہن مین قائم کرنا مشکل ہے، لیکن فائدہ یہ ہے کہ بجائے چار حقیقتون کے اب صرف ایک حقیقت رہجاتی ہے اور اگر ریاضی مین کافی دخل ہو تو پھر اسی بنا پر نظریہ کی پوری عمارت قائم ہوسکتی ہے، مزید برآن آئنسٹین نے مادّہ، نور، اور برق مین نئے نئے تعلقات ثابت کئے، تجربہ بظاہر اس کی تصدیق پر آمادہ ہی، آئنسٹین کے نزدیک اس مکان مین نور بالکل خط مستقیم مین حرکت کرتا ہے، حالانکہ موجودہ نظریہ نور کے مطابق اس کا راستہ خط مستقیم کے قریب قریب ہوتا ہی، حرکیات (علم الحرکۃ) جو متحرک مادہ کا علم ہے وہ صرف پانچ یا چھ بُعد والا ہندسہ[1] رہجاتا ہے، کمیت، زمان، اور نیز فاصلہ کی پیمائش میلون مین ہوسکتی ہے، آئنسٹین کا یہ دعوی ہے کہ زمان، نور مکان کا وجود مادّہ کے وجود سے وابستہ ہے،

آئنسٹین نے اضافیت سے جو معنی مراد لئے ہین وہ یہ ہین کہ زمان، کمیت، اور فصل مطلق کی پیمائش ناممکن ہے، جب دو مشاہد ایک دوسرے کی اضافت سے حرکت کر رہے ہون اور وہ دونون ایک ہی واقعہ کا مطالعہ کرین تو ان کا ایک ہی نتیجہ پر پہونچنا ممکن نہین، بنابرین جیسا پہلے گذر چکا، طبیعیات مین زمان مطلق، کمیت مطلق، فصل مطلق، کے کچھ معنے نہ رہے، زمان، کمیت، اور فصل سب کا وجود مشاہد کی اضافت سے ہی، فلسفہ مین اس اصول کو مدت سے پیش کیا جارہا ہی، لیکن آئنسٹین کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے، اضافیت، کو قابل پیمائش کر دکھایا، اور اس کے واسطہ عملی ثبوت کو ممکن قرار دیا،

مختصر تاریخ البرٹ آئنسٹین نے اضافیت پر سب سے پہلا مضمون رسالہ "انالسن ڈر فزک"

[1] موجودہ یعنی اقلیدسی ہندسہ مین لبعد کا مانا جاتا ہی، [2] کسی شی مین مادہ کی جو مقدار ہوتی ہی وہ اسکی کمیت کہلاتی ہے،

مین ۱۹۰۵ء مین شایع کیا پہلے وہ سوئٹزرلینڈ کے پٹینٹ دفتر مین ملازم تھا، اب وہ برلن مین پروفیسر ہے ۱۹۰۵ء سے اس نے اب تک متعدد مضامین شائع کئے ہین اور ۱۹۱۰ء کے اوائل سے اس نے اس نظریہ کو وسعت دینا شروع کیا، اب تک تو صرف زمان و فاصلہ سے بحث کرتا تھا اب اس نے کمیت کو بھی شامل کرلیا، کمیت، اور جمود، مادہ کی فطری خاصیتین ہین جن کا تعلق تجاذب سے بہت قوی ہے،

آئنسٹین کے نظریۂ اضافیت کے ارتقار کے تین دور ہین :-

پہلا دور ۱۹۰۵ء سے قبل کا ہی، اس وقت دوسرے محققین نے داغ بیل ڈالدی تھی، جن کو مادہ کے برقناطیسی[1] نظریہ کی تلاش تھی، آئنسٹین نے سب سے پہلا نظریہ ۱۹۰۵ء مین قائم کیا اور ۱۹۱۶ء مین اس کو وسعت دیکر ایک کلّیہ کی صورت مین پیش کیا،

نظریہ کی کیفیت آئنسٹین کا اصلی نظریۂ اضافیت مکان و زمان کے شائع ہونے کے کچھ عرصہ بعد منکاوسکی[2] نے یہ تبلایا کہ آئنسٹین کا کارنامہ صرف یہ ہی کہ اوس نے زمان کو چوتھا بعد قرار دیا ہے، اقلیدی مکان کے ابعاد ثلاثہ طول، عرض، اور عمق ہین، اس کا ذکر ہر ہندسہ کی کتاب مین ہے اور ہر شخص اس سے واقف ہے ذہن انسانی دو بُعدی مکان کا مفہوم بھی قائم کرسکتا ہی، چنانچہ ہندسہ مثنوی اس کی دلیل ہی، نیز یک بُعدی مکان بھی قرین فہم ہے جس کی مثال خط مستقیم ہے، لیکن ہمارا ذہن چار بُعدی مکان کا مفہوم قائم کرنے سے قاصر ہے، مگر طبیعیات مین جو ریاضی مساواتین استعمال کی جاتی ہین ان مین جہان طول، عرض، و عمق کا استعمال ہوتا ہی وہان زمان بھی شامل ہوتا ہے اور اس کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو بقیہ تین بُعدون کی ہے، اس بنیاد پر صرف ذہنی طور پر زمان کو چوتھا بُعد قرار دے سکتے ہین،

تمثیل اس کی تمثیل ہم کو متحرک تصاویر یعنی سینما مین ملتی ہے، تماشا گاہ مین عریض پردے پر جو تصویرین تظلیل (سایہ افگن) کی جاتی ہین ان مین صرف دو بُعد ہوتے ہین، لیکن ہم ان کو

[1] برقناطیسی [= برقی، مقناطیسی] نظریہ وہ نظریہ ہی جسکی رو سے نور، برق، مقناطیس ایک ہی حقیقت قرار پاتے ہین، [2] روسی عالم،

تین بُعد تصور کرتے ہین، جیسے کسی عکاسی تصویر (فوٹو) مین دو ہی بُعد ہوتے ہین اور اس مین تیسرا بُعد یعنی عمق کا پتہ نہین ہوتا، لیکن ہم اس مین عمق کا بھی تصور کرتے ہین،

غور طلب امر یہ ہے کہ سینما مین تصویرین حرکت کرتی نظر آتی ہین، ہر شخص جانتا ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے، وجہ یہ ہے کہ جو کچھ ہم دیکھتے ہین وہ ایک ہی تصویر نہین جو متحرک ہو بلکہ وہ ایک سلسلۂ تصاویر ہے جس مین معین چیزین دکھلائی جاتی ہین، ایک تصویر جب دوسری تصویر کی جگہ لیتی ہے تو اس سرعت کے ساتھ کہ ہم کو اس کا علم نہین ہوتا، جب ہم ایک معمولی عکاسی تصویر کو دیکھتے ہین تو ہم مکان کا خیال تو قائم کرتے ہین لیکن زمان کا اس مین شائبہ تک نہین ہوتا، جب ہم ایک متحرک تصویر کو دیکھتے ہین تو مکان کے ساتھ ساتھ زمان کا بھی خیال ہمارے ذہن مین قائم ہوتا ہے، زمان کا یہ احساس آلۂ ظل انداز[1] کے اندرونی تصویر دار جھل تپی (FILM) کی حرکت کا نتیجہ ہے، اس حرکت کا پردے پر کوئی جواب نہین ہے۔ اسی وجہ سے دیکھنے والے کو اس کا احساس نہین ہوتا، جہان تک اس مشاہدہ کا تعلق ہے آلۂ مذکور کی اندورنی جھل تپی کی یہ حرکت ایک اور بعد مین ہے جس کو بعد زمانی کہنا چاہئے۔

عرصہ ہوا کہ یہ گمان پیش کیا گیا تھا کہ روزمرہ کی زندگی مین زمان کا جو احساس ہوتا ہے وہ ایک چوتھے مفروضہ بُعد مین غیر محسوس حرکت کا نتیجہ ہے، ہم ایسے لاانتہا عالمون کا وجود مان سکتے ہین جو ایک دوسرے کے قریب قریب متماثل ہون، ان مین کچھ نہ کچھ فرق تو ہو ہی گا، جب ہمارا شعور ایک ایسے عالم سے دوسرے عالم مین سلسلہ بہ سلسلہ منتقل ہوتا جائیگا تو اس فرق کو ہم اشیا کی حرکت سے تعبیر کر سکتے ہین، کسی ایک لمحہ مین ہم چار بُعدی مکان والے عالم کا بالکلیہ شعور نہین کر سکتے ہم کو صاف سہ بُعدی مکان کا شعور ہوتا ہے،

[1] یعنی وہ آلہ جس کے ذریعہ سے پردے پر تصویرین ڈالی جاتی ہین،

اس کی توضیح کے لئے ہم یہ تمثیل پیش کرتے ہین کہ فرض کیجئے کہ مکان مین صرف دو ہی بعد ہین، تو ایسے دو بعدی آدمی کا تصور کیجئے جو کسی حوض کے پانی کی سطح پر سکونت پذیر ہو اور جس کو صاف ان ہی مظاہر کا شعور ہو جو اس سطح پر واقع ہوتے ہون، بالفرض اگر پانی کی پتال (LWEL) ایک خاص شرح سے صعود کر رہی ہو تو ایسا آدمی کیا مشاہدہ کریگا؟ ایک چکنا نیزہ لیجئے اور اس کو انتصاباً (یعنی سیدھا کھڑا) پانی مین کچھ اندر اور کچھ باہر رکھئے، اب یہ چپٹا آدمی نیزے کی اس مدور تراش ہی کا مشاہدہ کر سکتا ہے جو پانی کی سطح سے بن جاتی ہے، اور اس کے لحاظ سے جون جون پتال اٹھیگی یہ تراش بظاہر ثابت المحل اور شکل مین مدور ہی نظر آتی رہیگی، پتال کا صعود مرور زمان کے مرادف ہے، ایسے آدمی کو اشیا کی ایسی تراشون کے صعود کا علم، ان مقامات پر جہان کہ وہ اشیا سطح کو قطع کرتی ہین، نہین ہو سکتا، لیکن اگر نیزہ انتصابی حالت سے کسی قدر مائل کر دیا جائے تو یہ سطحی آدمی فوراً کہیگا کہ "نیزہ حرکت کر رہا ہے"، کیونکہ نیزہ اور آبی سطح کے تقاطع کا مقام، پتال کی بلندی کے ساتھ ساتھ اپنا محل بدلتا جائیگا، دو بعدی آدمی کے لئے نیزے کا وجود صرف اسی تراش تک محدود ہے۔

مزید بران اگر وہ ہوشیاری کے ساتھ مشاہدہ کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ اس کے متحرک یا مائل نیزے کی تراش گول نہین رہی بلکہ بیضوی ہو گئی ہے، اور اس کو لامحالہ اس نتیجہ پر پہونچنا پڑیگا کہ حرکت کی حالت مین اشیاء کی شکل بدل جاتی ہے، ساتھ ہی اس کے اس کا فیصلہ یہ ہوگا کہ متحرک یا مائل نیزے سے اس وقت کا اظہار نہین ہوتا جو انتصابی نیزے سے ظاہر ہوتا تھا، یعنی اگر اس نیزے مین بھی کوئی سطحی آدمی رہتا جو وقت کو نیزے مین پانی چڑھنے کی رفتار سے پیمائش کرتا تو اس کے اور ہمارے دو بعدی آدمی کے وقتون مین فرق ہوتا۔

وقت بعد رابع

اس تمثیل کو زیادہ طول دینے کی ضرورت نہین، غالباً اکثر ناظرین کہین اس کو نو خیال کرنے لگے ہون، لیکن علمی مباحث مین کبھی کسی شی کو لغو نہین کہتے، بشرطیکہ وہ اپنے

موضوعہ مقاصد کو انجام دے، ہم یہ فرض کر سکتے ہین کہ زمان کے ساتھ جو نسبت ہم کو ہے وہی نسبت اس سطحی آدمی کو بنال کے صعود سے ہی، اس مفروضہ سے ہم نتائج اخذ کر سکتے ہین اور اگر مشاہدات فطرت ان نتائج کی تصدیق کرین تو ہمارا مفروضہ درست اور صحیح ہوگا، جس طرح طبیعیات کے دیگر مفروضات درست ہوا کرتے ہین، ہمارا مفروضہ اپنے مفروضہ مقصد کو پورا کرتا ہی، پس اگر ہم یہ تسلیم کر لین کہ ہماری رفتار اس چوتھے یا زمانی بعد مین نور کی رفتار کے مساوی ہے، [اور آئنسٹین اور منکاوسکی کا نظریہ اپنی سادہ ترین شکل مین یہی ہی] تو اس مفروضہ سے ماخوذہ نتائج کی تصدیق مشاہدہ سے ہوتی معلوم ہوتی ہی، ایک متحرک کرہ ایک ثابت مشاہد کو بیضوی نظر آتا ہے، جیسے سطح آدمی کو دائرہ بیضوی معلوم ہوا تھا،

منکاوسکی نے جو ریاضی شرح لکھی ہے اس مین زمان کو، خیالی، مانا ہی جس طرح جبر و مقابلہ مین مقادیر خیالی تصور کیجاتی ہین، اسی وجہ سے اگر کوئی شخص ہماری سطح آبی اور نیزہ والی تمثیل کو طول دے تو وہ ایسے نتائج پر پہنچے گا جو آئنسٹین کے مشاہدات سے کسی قدر مختلف ہونگے تاہم باوجود اس نقص کے یہ تمثیل ہمارے سامنے اضافیت کا اصل نقشہ ایک حد تک پیش کر دیتی ہے،

اگر آئنسٹین کے زمانی مکان کو ہم ایک طبیعیاتی حقیقت تسلیم کر لین تو نہایت حیرت زا اور دلفریب تجربے ایجاد کئے جا سکتے ہین، مگر افسوس ہی کہ فی الحال ایسے تجربون کو عملی جامہ پہنانے کا کافی سامان موجود نہین ہی، مثلاً اگر ایک شخص کو ایسی رفتار سے حرکت دیجائے جو نور کے رفتار کے مساوی ہو یا اس سے لگ بھگ ہو، (بشرطیکہ وہ ایسی رفتار کے ہوتے ہوئے زندہ بھی رہ سکے) تو اس کے علائق زمانی مین ایک تغیر عظیم واقع ہو جائیگا یعنی جو ہمارے لئے مستقبل ہی وہ اس کے لئے حال ہو جائیگا، یا ہمارا حال اس کے لئے مستقبل ہو جائیگا، نیز وہ ہمارے لحاظ سے ایک ہی وقت مین کئی جگہ موجود ہو سکتا ہی، ایچ جی ویلز مشہور انگریزی علمی افسانہ نویس نے ایک افسانہ لکھا ہی

جس کا نام ،، وقت کی کل ہی،، اس مین ایک آدمی ایک ایسی مشین ایجاد کرتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ حسب منشا زمان مین حرکت کر سکتا ہی، اس نظریہ کی رو سے یہ انوکھا افسانہ افسانہ نہین رہتا بلکہ عالم تخیل سے نکلکر طبیعیاتی ممکنات مین آجاتا ہی،

نظریۂ اضافیت کی ان عجیب و غریب پیچیدگیون مین الجھنا کچھ زیادہ مفید نہین، اس کی وجہ سے اس کی حقیقی علمی وقعت کا اندازہ نہ ہو سکیگا، یہ کہنا بھی صحیح نہین ہی کہ اس نظریہ کے بموجب اقلیدسی ہندسہ بالکل غلط قرار پاتا ہی، اگرچہ یہ ضرور ہے کہ اس ہندسہ مین زمان، طول اور کمیت مطلق کے وجود کو تسلیم کیا گیا ہی، یہ کہنا درست ہوگا کہ اس سے نیوٹن کے کلیۂ تجاذب کا ابطال لازم آتا ہی یا یہ کہ زمانہ کا جو مفہوم ہم نے قائم کر رکھا ہی اس کو یہ غلط ٹھہراتا ہی، اقلیدسی ہندسہ اور نیوٹنی حرکیات اپنے اپنے موضوع مقاصد کو سرانجام دیتے ہین، لیکن وہ بالکلیہ صادق نہین آتے، نظریۂ اضافیت کی نسبت خیال ہی کہ وہ ہر صورت مین صادق آتا ہی، ان مسئلون مین جن مین رفتارین عظیم نہ ہون اضافیت، اقلیدسی ہندسہ اور نیوٹنی حرکیات مین تحویل ہو جاتا ہی لیکن جب رفتارین عظیم ہون تو نظریۂ اضافیت ان اثرات کا پتا دیتا ہی جو فطرت مین فی الحقیقت ظہور پذیر ہین لیکن نیوٹنی حرکیات سے ان کا پتہ نہین لگتا،

تمام طبیعیین اس نظریہ پر ایمان نہین لائے ہین، اور نہ ابھی تک اکثر ماہرین فن نے اس کو قبول کیا ہے، لیکن اس کو اگر کبھی قبول عام حاصل ہوا تو اس کا سبب یہ ہوگا کہ مثل دیگر کامیاب طبیعیاتی نظریون کے اس مین بھی نئے نئے مظاہر کے متعلق پیشینگوئی کرنے کی طاقت ہی، اور دنیا مین جتنے بھی مظاہر مشاہدہ مین آتے ہین سب کو ایک ہی سلسلہ مین منسلک کرنے کی قوت ہی اس طرح یہ نظریہ تمام علوم طبیعیہ پر صادق آتا ہی، اس مین مشترک مکان و زمان اور مادہ کی بحث ہی اور ضمنی طور پر نور اور برق کا بیان بھی آجاتا ہی، اس کے ذریعہ سے نیوٹن اور میکسول[1] دونون کے

[1] مشہور انگریز ریاضی دان جسنے برقاطیسی نظریہ قائم کیا،

کارنامے متحد ہو جاتے ہین،

روایت ہی کہ نیوٹن نے ایک سیب کو درخت سے زمین پر گرتے دیکھا اور اس سے اس نے سورج، چاند اور ستارون کے طلوع و غروب کا حساب لگایا، اگر یہ خبر صحیح ہے تو آئنشٹین نے ایک آدمی کو ایک بلند عمارت سے گرتے دیکھا اور بعد مین اس سے گرنے کی حالت مین احساسات کے متعلق سوال کیا، اس طرح نیوٹن سے بھی اس نے ایک قدم اور آگے بڑھا دیا، ہر وہ شے جس کی توجیہ نیوٹن کر سکتا تھا آئنشٹین کے یہان بھی ممکن ہی لیکن اس کے علاوہ نیوٹن کے ماننے والے مریخ کے مدار کی خفیف سی تبدیلی کی توجیہ نہین کر سکتے تھے، آئنشٹین کر سکتا ہی، نور کے راستہ مین جو انحراف ہوتا تھا اور جس سے ہم اب تک بیخبر تھے آئنشٹین ہی نے اس کی طرف ہم کو توجہ دلائی، قطع نظر اس امر کے کہ یہ نظریہ مکان و زمان و تجاذب جو آئنشٹین نے ایجاد کیا ہی عام طور سے قبول کیا جائے یا نہ کیا جائے، ہم اس جودت ذہنی پر تعجب کئے بغیر نہین رہ سکتے جس نے ایک چھت سے گرتے آدمی اور اس روشنی کے درمیان جو ۱۹۱۹ء مین سورج کی طرف گرتی دکھائی دی تھی، ایک علاقہ ثابت کر دکھایا،

یہ خبر خالی از دلچسپی نہ ہوگی کہ جاپان کے علماء نے پروفیسر آئنشٹین کو مدعو کیا ہی اور اس نے اس دعوت کو قبول بھی کر لیا ہی، ایک جاپانی عالم نے جو اس نظریہ کو باطل کرنا چاہتا ہے اُس سے مناظرہ کا ارادہ بھی کیا ہی، یہ مناظرہ اگر کبھی ہوا تو دلچسپی سے خالی نہ ہوگا،

علم الکلام

مولانا شبلی مرحوم کی وہ مشہور تصنیف جس مین علم الکلام کی تاریخ اور اس کے عہد بہ عہد کی ترقیان اور تدریجی رفتار، اور ہر دور کے اکابر متکلمین کے مسائل و مجتہدات پر تبصرہ ہی، مدت ہوئی کہ نایاب ہوگئی تھی، اب مطبع معارف نے نہایت عمدہ کاغذ پر اہتمام کے ساتھ چھاپا ہے، قیمت عہ،

"منیجر"

منتخبات

خاندان تغلق

کے متعلق

پانچ تاریخی سوالات

مترجمہ جناب سعید انصاری متعلم جامعہ ملیہ،

عنوان بالا سے ایک محققانہ مضمون رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے جولائی ۱۹۲۲ء نمبر مین سر وولزلی ہیگ کے قلم سے نکلا ہی۔ فاضل مضمون نگار نے پانچ سوالات قائم کرکے اس عہد کے بعض تحقیق طلب واقعات پر روشنی ڈالی ہی اور وہ سوالات یہ ہین:-

(۱) اس خاندان کا یہ نام کیونکر ہوا؟

(۲) اس بغاوت کے اصلی واقعات جو ۱۳۲۱ء مین ورنگل کی مہم کے موقع پر محمد جونا کی فوج مین ہوئی تھی، کیا تھے؟

(۳) سلطان غیاث الدین کا اپنے بیٹے محمد جونا سے بنگال کی اثنار مہم مین ناراضگی کا کیا سبب تھا؟ اور بیٹے پر اپنے باپ کی موت کی ذمہ داری کہان تک ہے؟

(۴) محمد تغلق کے عہد حکومت کے تاریخ وار واقعات،

(۵) اس لڑکے کی ولدیت جسے احمد ایاز (خواجہ جہان) نے محمد تغلق کے مرنے پر تخت نشین کیا تھا، کیا تھی؟

ان سوالات مین سے پہلے تین کا ملخص ناظرین معارف کی خدمت مین پیش کیا جاتا ہی، جو زیادہ اہم اور دلچسپ ہین،

(سعید)

(۱) خاندان کا نام

اس نام (تغلق) کی تحقیق کے متعلق فرشتہ یہ لکھتا ہی کہ ہندوستان کے مورخین متقدمین اور متاخرین ہر دو گروہ نے خاندان تغلق کی اصل کے متعلق محققانہ طور پر لکھنے کو ہمیشہ نظر انداز کر دیا ہے، راقم الحروف محمد قاسم فرشتہ جب نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ کے اوائل حکومت مین بحیثیت سفیر ابراہیم عادل شاہ سلطان العصر کے دربار سے لاہور آیا، اس وقت مین نے اس کے متعلق ایسے اشخاص سے دریافت کیا جو سلاطین ہند کی تاریخ پڑھنے مین دلچسپی لیتے اور اس سے بخوبی واقفیت بھی رکھتے تھے۔ انھون نے اس کے بارے مین اپنی لاعلمی کا اظہار کیا لیکن اس قدر بتایا کہ روایت کے طور پر یہ مشہور ہی کہ ملک تغلق جو سلطان غیاث الدین تغلق کا باپ تھا غیاث الدین بلبن کے ترکی غلامون مین سے ایک غلام تھا، اس نے جاٹون سے جو اسی ملک کے باشندے تھے، دوستی پیدا کرلی، ان جاٹون نے ملک تغلق کی شادی اپنے ہان کر دی جس سے غیاث الدین تغلق پیدا ہوا، ملفوظات[1] مین یہ لکھا ہی کہ تغلق، اصل مین قتلغ تھا جو ایک ترکی زبان کا لفظ ہی اور ہندوستان کے لوگون نے تلفظ کرنے مین اس کو الٹ کر تغلق، کر دیا اور بعضون نے تو قتلغ، سے قتلو، بنا دیا۔،،

،خلاصۃ التواریخ، مین یہ روایت یون بیان کیگئی ہے کہ غیاث الدین تغلق شاہ کی مان پنجاب کی ایک ،جاٹنی، (جاٹ کی عورت) تھی، ابن بطوطہ اس کی اس طرح تصدیق

[1] اس سے غالباً شیخ عین الدین بیجاپوری کی ملفوظات، مراد ہی۔

کرتا ہی کہ وہ (غیاث الدین تغلق شاہ) ایک قرونہ ترک تھا جس کے معنی مارکوپولو نے مخلوط النسل کے لکھے ہین یعنی باپ ترکی ہو اور مان ہندی[1]،

اس روایت سے جسے متعدد راویون نے بیان کیا ہی غیاث الدین تغلق کی نسل کا پتہ مان کی طرف سے تو چل جاتا ہی لیکن لفظ تغلق کی اصل حقیقت نہین ظاہر ہوتی۔ فرشتہ اور شیخ عین الدین نے جو کچھ بھی لکھا ہی وہ محض قیاس پر مبنی ہی جس طرح سے علم اللسان مین لفظ، پٹھان، پشتان سے مشتق بتایا جاتا ہی اور، خدیو، خود، اور، دیو سے مرکب بیان کیا جاتا ہے،

اس مین شبہہ نہین کہ تغلق کسی قبیلہ کا نام ہی اور خیال یہ ہی کہ غیاث الدین کا باپ ترکون کے اس قبیلہ سے تھا جو ختن کے قریب آباد تھا اور جسے سر آرل اسٹین نے اپنی کتاب (صحرائے کیتھے کے آثار) مین تُغَلِق، (تائے بالفتح ولام بالکسر) کے نام سے موسوم کیا ہی تغلق خان (ملک تغلق) یا تو غیاث الدین بلبن کے ہاتھ بطور مال تجارت آگیا ہو یا مغلون کے حملہ سے بھاگ کر ہندوستان مین آکر پناہ لی ہو مؤخرالذکر قیاس اس کے بیٹے کے اس افتخار کی مزید توضیح کرتا ہی،، مین[2] نے تاتاریون سے انتیس موقعون پر مقابلہ کیا اور شکست دی۔ اس بنا پر مین، الملک الغازی، کہلاتا ہون،،

اب مختلف فیہ مسئلہ لفظ کا تلفظ رہا۔ لین پول نے اس کا تلفظ تَغَلَق[3]، (تائے ولام بالفتح) کیا ہے اور سر آرل اسٹین نے تَغلِق (تائے بالفتح ولام بالکسر) لکھا ہی لیکن اس مسئلہ مین ابن بطوطہ کی تقلید زیادہ مناسب ہی وہ تُغلُق، (تائے ولام بالضم) لکھتا ہے، یہ قیاس سے باہر ہے کہ اس نے اپنے مربی کے قبیلہ کے نام مین جسے وہ آٹھون پہر سنتا رہا ہو، غلطی کی ہو، گو عام طور پر وہ اس مسئلہ مین صحیح رہنما نہین بن سکتا کیونکہ التمش، کو اس نے للمش، لکھا ہی لیکن سلطان شمس الدین التمش اس کے

[1] کرانیکلس مصنفہ ٹامس ص ۱۸۶ و ص ۱۸۷ مطبوعہ ۱۸۷۱ء، [2] کرانیکلس، ص ۱۹۲ مصنفہ ٹامس [3] اسلامی خاندان، مصنفہ لین پول ص ۳۰۰ و ص ۳۰۲

آنے سے ایک صدی قبل گزر چکا تھا اس لئے اس غلطی سے درگذر کیا جا سکتا ہے۔

بعض مورخین اس خاندان کے دوسرے بادشاہ کا نام "محمد ابن تغلق" لکھتے ہین۔ یہ ایک صریح غلطی ہے، کیونکہ تغلق کسی شخص کا نام نہین جس سے ولدیت منسوب کیجائے بلکہ یہ ایک قبیلہ کا نام ہے اور ہر اہل قبیلہ کو اپنے نام کے ساتھ یہ لفظ لکھنے کا حق ہے،

(۲) ورنگل کی پہلی مہم پر فوج کی بغاوت

سنہ ۷۲۲ھ مطابق ۱۳۲۳ء مین محمد جونا اپنے باپ غیاث الدین تغلق کی طرف سے تلنگانہ کی ریاست فتح کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ شہزادہ نے دیوگیر کے راستہ سے جسکا بعد مین "دولت آباد" نام رکھا گیا، حملہ کیا، راجہ، غیاث الدین تغلق کی حکمرانی تسلیم کرنے پر راضی ہوگیا لیکن شہزادہ نے اسے منظور نہ کیا اور پایۂ تخت وارنگل کا محاصرہ کرلیا۔ اس محاصرہ مین فوج مین بغاوت پھیل گئی جس کا سرکاری بیان ہمعصر مورخ ضیاء الدین برنی نے ان الفاظ مین دیا ہے:-

"ایک ماہ سے زیادہ گذر گئے اور کوئی خط یا حکم دار الخلافہ سے نہین آیا، اس سے پہلے سلطان محمد کو دو یا تین احکامات عموماً ہر ہفتہ مین ملا کرتے تھے، سلطان محمد اور اس کے رفقا نے اس قطع رسل و رسائل کو کوئی اہمیت نہ دی، اس کی خبر فوج تک پہنچی نتیجہ یہ ہوا کہ ہر دستہ و رسالہ مین تشویش اور بدنظمی پیدا ہوگئی۔ عبید شاعر اور شیخ زادۂ دمشقی نے جو نہایت ہی کمینہ، بدبخت اور دروغ گو اشخاص تھے اور جنھون نے کسی ذریعہ سے سلطان محمد تک رسوخ حاصل کرلیا تھا، فوج مین یہ غلط افواہ پھیلا دی کہ سلطان غیاث الدین تغلق کا انتقال ہوگیا ہے، سلطنت کے معاملات مین بدنظمی پھیلی ہوئی ہے، کسی غاصب نے تخت پر قبضہ کرلیا ہے اور دہلی سے رسل و رسائل کا سلسلہ منقطع ہوگیا ہے، پھر کیا تھا ہر شخص خود سر ہوگیا،

"انھین دونون کمبختون نے ایک اور جھوٹی خبر اڑا دی اور وہ یہ کہ ملک تمر، ملک تگین، ملک مل افغانی، اور ملک کافور ان امراء سے یہ کہا کہ سلطان محمد تمھین سلطنت کا دشمن سمجھتا ہے اور چونکہ تم نے آپس مین سازش کر رکھی ہے، اس لئے تم باغی ہو اور تمھین علحدہ کر دیا ہے، حالانکہ تم لوگ علاء الدین خلجی کے عہد مین بڑے بڑے عہدون پر مامور تھے اور اس کی فوج کے بڑے بڑے افسر تمھین تھے، انھون نے یہ بھی کہا کہ شہزادہ کا ارادہ ہے کہ تم سب کو ایک ہی دن گرفتار کر کے قتل کرا دے۔ ان امرا نے ان دونون غدارون کو شہزادہ کے جلوت و خلوت مین ہمیشہ ساتھ دیکھا تھا، ان کی باتون کا یقین کرلیا اور آپس مین مشورہ کر کے اپنی اپنی فوج ساتھ لیکر علحدہ ہوگئے، ان کی علحدگی سے تمام فوج مین ایک عام ابتری پھیل گئی، ہندو، اسلامی فوج مین اس اختلال کے منتظر بیٹھے تھے قلعون سے نکلکر خیمون کو لوٹا اور واپس چلے آئے، سلطان محمد نے دیوگیر کا رخ کیا، راستہ مین ڈاک لانے والے ملے جن سے غیاث الدین تغلق کی خیر و عافیت معلوم ہوئی اور یہ بھی پتہ چلا کہ وہ چارون امرا باہم برسر پیکار ہین، ان کی فوجون نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور ان کے اسلحے اور گھوڑے ہندؤن کے ہاتھ لگ گئے ہین، سلطان محمد صحیح و سالم دیوگیر پہنچا اور پھر ساری فوج اکٹھی ہوگئی، ملک تمر گونڈوانہ بھاگ گیا اور وہین مرگیا، ملک تمر گورنر اودھ ہندؤن کے ہاتھ سے مارا گیا جنھون نے اس کی کھال سلطان محمد کے پاس بھیجدی، ملک مل افغانی، عبید شاعر اور دوسرے بغاوت پھیلانے والے اشخاص سلطان محمد کے پاس دیوگیر بھیجدئے گئے، جس نے ان کی بیوی بچون کو پہلے سے گرفتار کر رکھا تھا، ان سب کو اس نے اپنے باپ کے پاس بھیجدیا، سلطان غیاث الدین نے ایک عام دربار منعقد کر کے عبید شاعر، ملک کافور اور دوسرے باغیون کی زندہ کھالین کھنچوائین، اور ون کو مع ان کے بیوی بچون کے ہاتھی کے پاؤن تلے کچلوا ڈالا، ان سزاؤن سے دیکھنے والون کے دل لرز گئے اور تمام شہر کانپ اٹھا"

برنی کے اس بیان کی تائید جو محمد تغلق اور اس کے جانشین فیروز تغلق کے دربار مین تھا، دیگر مورخین بدایونی اور فرشتہ نے بھی کی ہے، ان مین سے بعض نے کچھ اضافے بھی کئے ہین،

جن مین سب سے اہم بات یہ ہے کہ محمد تغلق خود دہلی واپس آیا اور مجرمون کی سزا کے وقت موجود تھا،
فرشتہ کا یہ بیان ہی کہ فوج مین ایک وبا پھیل گئی تھی، جو واقعات پیش آئے ان کا سارا الزام عبید اور
شیخ زادہ دمشقی کے سر ہے جو ایک طرف سلطان غیاث الدین اور اپنے آقا محمد تغلق دونون کے لئے غدار
ثابت ہوئے اور دوسری جانب امرائے فوج کو ورغلایا، اس کا کچھ پتہ نہین چلتا کہ ان سازشون سے
آخران کا مقصد کیا تھا؟

ابن بطوطہ نے جو اس واقعہ سے بارہ برس بعد محمد تغلق کے زمانہ حکومت مین ہندوستان آیا، بالکل
ہی مختلف قصہ بیان کیا ہی، وہ لکھتا ہی کہ "جب غیاث الدین تغلق نے دار الخلافہ مین اپنا قدم جما لیا تو
اپنے بیٹے کو تلنگ کا علاقہ فتح کرنے کے لئے بھیجا، ہمراہ ایک کثیر فوج متعدد امرا مثلاً ملک تمور، ملک تگین،
ملک کافور اور ملک بیرم وغیرہ کے کر دیا، جب محمد تغلق وہان پہنچا تو اس نے اپنے رفیق ملا عبید شاعر کو یہ حکم
دیا کہ فوج مین یہ خبر مشتہر کر دے کہ سلطان تغلق کا انتقال ہو گیا ہی تاکہ لوگ یہ سنکر اس کی اطاعت قبول کر لین
لیکن امیرون نے اس خبر کی تردید کی اور ہر ایک محمد تغلق سے بگڑ بیٹھا، امرا نے اس کے
قتل کا ارادہ کیا لیکن ملک تمور نے ایسا کرنے سے روکا، محمد تغلق مع دس وفادار سوارون کے اپنے
باپ کے پاس بھاگ کے چلا گیا، باپ نے مال و دولت اور تازہ فوج کو ساتھ کر کے اُسے پھر واپس بھیجا، اور
جب اسے اس خبر کا علم ہوا تو اس نے ملا عبید کو قتل کروا ڈالا اور حکم دیا کہ ملک کافور کو الٹا چنوا دیا جائے،
یہان تک کہ وہ مر جائے، بقیہ امرا سلطان شمس الدین بن سلطان ناصر الدین بن سلطان غیاث الدین
بلبن کے پاس بھاگ کر بنگال چلے گئے"،

ابن بطوطہ کے بیان کے مطابق باغی اور غدار خود محمد تغلق ثابت ہوتا ہے جس نے فوج کو
ورغلا کر تخت حاصل کرنے کی کوشش کی اور اپنے کار پردازون کو باپ کے ہدف انتقام کے لئے چھوڑ دیا،
اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہی کہ محمد تغلق خود کو شہنشاہ تسلیم کرانے مین ناکام ہو کر اپنے مؤیدین یا

مخالفین سے پہلے دہلی پہنچگیا تھا، اور اپنے باپ کو فوج کی بغاوت کی اطلاع خود دی جسے بعد
مین برنی نے لیا، برنی محمد تغلق کے معائب سے چشم پوشی نہین کرتا، بلکہ انھین کے ساتھ ساتھ وہ اس کے محاسن
اور اس کی مسلم قابلیت کا بھی ذکر کرتا ہی۔ ایک درباری سے بھلا یہ کب ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ ابن بطوطہ کی
طرح محمد تغلق کو باغی ثابت کرے، ابن بطوطہ ہر خوف و خطر سے آزاد تھا، کیونکہ اس نے اپنے سفر کے حالات
اس وقت شایع کئے جب وہ اپنے دور دست وطن
مین پہنچ چکا تھا، ابن بطوطہ ایک
باریک بین اور دور اندیش شخص تھا، محمد تغلق کا ممنون احسان بھی تھا، پھر اس کے دامن اخلاق پر غلط
دھبہ لگانے کی اس کی نیت کبھی نہین ہو سکتی تھی۔ اس پر زور دینے کی چندان ضرورت نہین کہ برنی
کے بیان پر ابن بطوطہ کے بیان کو ترجیح ہی اور یہ عام طور پر مسلم شدہ بھی ہی، لیکن اس کے تسلیم کرنے مین دو
دقتین رہجاتی ہین ایک یہ کہ غیاث الدین نے دوسری مہم کی کمان پھر اپنے بیٹے کے سپرد کیسے کی؟ دوسری
دقت یہ ہے کہ بنگال کی مہم مین دہلی سے غیر حاضری کے وقت اپنا قائم مقام محمد تغلق کو کیسے مقرر کیا؟

معلوم یہ ہوتا ہی کہ محمد تغلق نے اپنے باپ کو اپنے اس جرم سے تلنگانہ کی دوسری روانگی تک
بے خبر رکھا، ابن بطوطہ کے بیان سے یہ یقینی طور پر ظاہر ہوتا ہی کہ محمد تغلق کا جرم اس کے دہلی چھوڑنے تک
ظاہر نہین ہو سکا، برنی لکھتا ہی کہ "پھر چار ماہ کے بعد سلطان غیاث الدین نے سلطان محمد کو ایک کثیر
فوج کی کمان دیکر ورنگل کی جانب بھیجا" یہ بات بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ غیاث الدین
اپنے بیٹے کے جرم سے چار مہینہ تک بے خبر رہے، ممکن ہے کہ دوسری فوج کی روانگی اس مدت
سے پیشتر عمل مین آئی ہو جتنا برنی نے لکھا ہے اور غالباً دہلی سے دیوگیر تک پہنچنے مین چار ماہ لگے ہون،
دوسری دقت یعنی محمد جونا کا تقرر اپنے باپ کی عدم موجودگی مین بحیثیت قائم مقام، کی توجیہ
اس قدر آسان نہین ہے، مسٹر تھامس اس کو غیاث الدین کی بیوقوفی اور دیوانہ پن پر محمول
کرتے ہین، لیکن غیاث الدین کے حالات زندگی مین اس قسم کی غلطیون کا پتہ اور کہین نہین چلتا

ہمارا خیال یہ ہی کہ تلنگانہ کی شاندار فتح کی خوشی مین غیاث الدین نے محمد تغلق کے اس جرم کو معاف کردیا ہو یا اس خیال سے کہ پایہ تخت کے وفادار امرا اور افواج کے درمیان وہ کم خطرناک رہیگا بہ نسبت اس کے تلنگانہ مین تقریبًا خودمختار فوجون کی سرداری مین رہی، اسے دہلی بلاکر اپنا قائم مقام رکھا ہو، ان مین سے دوسرا قیاس امکان سے [?]ریب تر معلوم ہوتا ہی،

(۴) سلطان غیاث الدین کی بیٹیے سے وجہ ناراضگی اور مؤخر الذکر پر باپ کی موت کی ذمہ داری

جس وقت محمد جونا دوسری مہم پر تلنگانہ مین تھا، اسکے باپ غیاث الدین سے بنگال کے حکمران نے امداد طلب کی، خاندان غلامان کے آخری چراغ معزالدین کیقباد کی کمزور حکومت کے زمانہ سے غیاث الدین بلبن کی، اولاد بنگال مین خودمختار بن بیٹھی تھی، شمس الدین فیروز، غیاث الدین بلبن کے پوتے نے اپنے بیٹے غیاث الدین بہادر کو شرقی بنگال کا حاکم مقرر کیا اور خود ۱۳۱۰ء مین ایک دوسرے بیٹے شہاب الدین بغرا کو بنگال کی تخت نشینی کیلئے چھوڑ کر مرگیا، غیاث الدین بہادر (حاکم شرقی بنگال) نے اپنے بھائی کی حکومت تسلیم نہین کی اور ۱۳۱۹ء مین اس کو شکست دیکر سارا بنگال اپنے قبضہ مین کرلیا۔ شہاب الدین اپنے ایک دوسرے بھائی ناصر الدین کے ساتھ بھاگ کر دہلی چلا گیا اور غیاث الدین تغلق سے امداد چاہی، اس نے اس مہم کی سربراہی خود کرنے کا تصفیہ کیا اور اپنی عدم موجودگی مین دہلی کی حکومت کے لئے اپنے بیٹے محمد تغلق کو تلنگانہ سے بلالیا،

اسی زمانہ مین نظام الدین اولیا دہلی مین موجود تھے۔ نظام الدین احمد مورخ، طبقات اکبری' مین یہ لکھتا ہی کہ سلطان غیاث الدین تغلق اور ان کے تعلقات کچھ کشیدہ ہوگئے تھے لیکن وہ کوئی وجہ کشیدگی نہین ظاہر کرتا۔ لیکن نظام الدین اولیا کے حالات زندگی مین جو اس نے اپنی تاریخ کے خاتمہ پر لکھے ہین، ان کے اختلاف کو تفصیل سے بیان کیا ہے، وہ کہتا ہی:-

"قطب الدین مبارک شاہ کے قتل کے بعد جب ناصر الدین خسرو دہلی کے تخت پر بیٹھا تو

اس نے نہایت فیاضی کے ساتھ شاہی خزانہ کو لٹایا اور مذہبی عنصر کو ہمنوا بنانے کی غرض سے اس نے مشائخین اور پیشوایان دین کو بھی شامل کرلیا، ان مین بعضون نے لینے سے انکار کردیا اور بعضون نے بجز نظام الدین اولیا کے جو لینے سے انکار کرتے ہوئے ڈرتے تھے، بطور امانت رکھ چھوڑا اس خیال سے کہ اس کے بعد جب کوئی ذمہ دار حکمران آئیگا تو وہ اس زر و مال کا مطالبہ جو اس بیدردی سے لٹایا گیا ہی، ضرور کریگا، غیاث الدین تغلق نے آخر ان کی امید کے موافق ان سے وہ رقمین وصول کین، تمام دیگر شیوخ نے جو کچھ لیا تھا، واپس کردیا لیکن نظام الدین اولیا نے چونکہ اپنے حصہ کی رقم خرچ کرڈالی تھی، سلطان کے مطالبہ کا کچھ جواب ندیا، غیاث الدین تغلق ان کی اس گستاخی سے بہت ناخوش ہوا اور شیخ کے بعض دشمنون کے کہنے پر انھین ترپن[۵۳] علما کی عدالت مین اس جرم پر طلب کیا کہ وہ خلاف قانون ناچ رنگ کی محفلین منعقد کرتے ہین، انجام کار فیصلہ شیخ کے حق مین ہوا لیکن شیخ و سلطان کے تعلقات کچھ بہتر نہ ہوسکے،،

ابن بطوطہ یہ لکھتا ہی کہ محمد جونا شیخ کا مرید تھا اور جب شیخ کو حال آتا تو اسی حالت مین وہ ان کے پاس جایا کرتا، کیونکہ اس کا عقیدہ تھا کہ اس حالت مین شیخ کی زبان سے جو کلمات نکلتے ہین وہ آئندہ سچ ثابت ہوتے ہین، ایک موقع پر شیخ نے محمد تغلق سے یہ کہدیا، "جاؤ ہم تم کو بادشاہت دیدیتے ہین" غالبًا یہی وہ کلمات تھے جنکو سنکر سلطان غیاث الدین کا غصہ دوبالا ہوگیا۔ نظام الدین احمد نے طبقات اکبری مین لکھا ہی کہ سلطان نے بنگال سے شیخ کے پاس کہلا بھیجا کہ اچھا واپس آکر سمجھ لونگا، شیخ نے اس کا یہ جواب دیا کہ "ہنوز دلی دور است" اور اس وقت سے یہ فقرہ ضرب المثل بنگیا، بالآخر یہ دھمکی سچ ہوئی اور سلطان کوئی انتقام نہ لے سکا،

ابن[۱] بطوطہ کے بیان کے لحاظ سے سلطان کی واپسی سے قبل شیخ کا انتقال ہوگیا اور محمد جونا

[۱] دوسرے بیانات کے مطابق شیخ نظام الدین اولیا، غیاث الدین تغلق کے ایک یا دو ماہ بعد تک زندہ رہے، اور سلطان کی وجہ ناخوشی اس کے بیٹے اور شیخ کے عام تعلقات کی بنا پر تھی۔

نے ان کے جنازہ مین شرکت کی، غیاث الدین نے جب اپنے معتوب کی اس عزت واحترام کا حال سنا تو اس نے اپنے بیٹے کو ایک خط لکھا جس مین ولیعہدی سے محروم کر دینے کی دھمکی دی، نیز یہ الزام دیا کہ اس کی ان حرکات سے اسکی وفاداری پر دھبہ آتا ہی، اس موقع پر مختلف نجومیون نے یہ پیشینگوئی کی کہ سلطان دہلی لوٹ کر کبھی نہ آئیگا لیکن غیاث الدین نے جو اس مہم مین کامیاب رہا، یہ سنکر ان سے انتقام لینے کیلئے تیزی سے روانہ ہوا۔

محمد جونا نے جب اپنے باپ کی واپسی کی خبر سنی تو اس کے خیر مقدم کا خاص اہتمام کیا۔ اس نے تغلق آباد (دہلی کا دوسرا نام ہی) سے ۵، ۶ میل کے فاصلہ پر لکڑی کا ایک خیمہ نصب کیا، تمام مورخین نے اس مقام کا نام جہان یہ خیمہ نصب کیا گیا، افغان پور لکھا ہی لیکن آج کل تغلق آباد، کے قریب کوئی مقام اس نام کا نہین ہی، میرا خیال یہ ہی کہ خیمہ ، اغوان پور، مین نصب کیا گیا ہوگا جو تغلق آباد، سے ۵ میل پر ایک گاؤن ہی ممکن ہی کہ موجودہ نام ، افغان پور، کی بگڑی ہوئی صورت ہو یا مسلمان مورخین نے ہندی نام کو بدل کر یہ بنا لیا ہو جیسا وہ بعض اوقات کرتے ہین،

بہرحال بیٹے نے سلطان کا خیر مقدم اس خیمہ مین ادا کیا، جو بعد مین اس پر گر پڑا اور سلطان وہین دب کر مر گیا، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہی کہ آیا خیمہ اتفاق سے گر پڑا یا عمداً گرا یا گیا، اور محمد تغلق پر باپ کی موت کی ذمہ داری کہان تک ہی، اس کے لئے مختلف مورخین کے بیانات سننے چاہئین،

برنی جو محمد تغلق کو اپنے باپ کے قتل سے متہم کرنیکی کوشش کبھی نہین کر سکتا، یہ لکھتا ہی:-

"جب سلطان محمد نے سنا کہ سلطان تغلق دار الخلافہ تغلق آباد کو واپس آرہا ہی تو اس نے حکم دیا کہ افغان پور مین ایک چھوٹا سا خیمہ بنایا جائے تاکہ سلطان رات وہین بسر کر کے صبح تغلق آباد مین شاہی جلوس کے ساتھ داخل ہو، شہر مین اس کے لئے بڑی بڑی تیاریان کی گئین، سلطان محمد مع امرا اور اعیان سلطنت اپنے باپ سے ملنے کیلئے آگے بڑھا اور رسم قدمبوسی بجا لایا، اس وقت

جبکہ سلطان کا کھانا چنا جا رہا تھا اور امرا و ارکین ہاتھ دھونے کیلئے باہر گئے ہوئے تھے، ایک ایسی آفت نازل ہوئی جیسے کوئی بجلی آسمان سے مخلوق زمین پر گرے، جس چبوترہ پر سلطان تغلق بیٹھا ہوا تھا، اس کی چھت یکایک گری اور سلطان مع پانچ یا چھ اشخاص کے چھت کے نیچے دب کر مر گیا"،

ایلیٹ، ڈاؤسن اور رینکنگ نے بجلی کو لفظی معنی مین لیا ہی اور ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ، آسمان سے ایک بجلی زمین پر گری اور جس چھت کے نیچے سلطان بیٹھا ہوا تھا، وہ گر پڑی جس سے وہ اور پانچ یا چھ دوسرے اشخاص دب کر مر گئے،

یہ ترجمہ کی غلطی ہی، اگر برنی کو یہ کہنا مقصود ہوتا کہ خیمہ پر بجلی گر پڑی تو وہ صاعقۂ بلاء آسمانی کی بجائے 'بلائے صاعقۂ آسمانی' لکھتا، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہی کہ 'صاعقہ' کا لفظ اس نے استعارۃً استعمال کیا ہی،

بعد کے مورخین جو برنی کے پایہ کے کسی طرح نہین ہو سکتے، تاہم ان کے بیانات پڑھنے کے قابل ہین، نظام الدین احمد نے 'طبقات اکبری' مین اس طرح لکھا ہی:-

"جب الغ خان (محمد جونا) نے اپنے باپ کی واپسی سنی تو اس نے 'افغان پور' کے قریب ایک خیمہ بنوایا تاکہ سلطان جب آئے تو رات یہین بسر کرے اور صبح کو جب شہر آراستہ پیراستہ ہو جائے اور شاہی استقبال کیلئے تمام ضروری سامان مکمل ہو جائین تو وہ شہر مین داخل ہو، جب سلطان خیمہ کے قریب پہنچا تو تغلق آباد مین خوشیان منائی جا رہی تھین، الغ خان مع امرا اور وسائے شہر اس کے استقبال کے لئے نکلا، سلطان تغلق شاہ خیمہ مین بیٹھا اور خاص خاص کھانے اس کے لئے لائے گئے کھانا جب ختم ہو چکا تو لوگ ہاتھ دھو کر باہر نکل آئے لیکن سلطان ہاتھ دھونے کی غرض سے اندر ہی رہ گیا، اتنے مین چھت گری اور سلطان اس کے نیچے دب کر مر گیا، اس کی مدت حکومت چار سال اور کچھ ماہ ہے،

"بعض تاریخون مین یہ مذکور ہی کہ خیمہ چونکہ تازہ بنا ہوا تھا اور لوگون نے اس کے گرد ہاتھی دوڑائے (جو سلطان اپنے ہمراہ بنگال سے لایا تھا) جس سے زمین دہل اٹھی اور چھت گر پڑی، دور اندیش طبائع سے یہ مخفی نہین رہ سکتا کہ ایسے خیمہ کی تعمیر سے جس کی اتنی کوئی ضرورت نہ تھی، قدرتاً یہ شبہہ پیدا ہوتا ہی کہ الغ خان نے اپنے باپ کی موت کی پیشبندی کر رکھی تھی، یہ بھی ظاہر ہے کہ مصنف "طبقات فیروز شاہی" (برنی) نے چونکہ اپنی تصنیف سلطان فیروز کے عہد مین لکھی جو سلطان محمد کا بہت ہی احترام کرتا تھا، اس لئے اس نے فیروز کے خیال سے اس واقعہ کو ظاہر کرنے سے گریز کیا ہوگا، بہر حال مین نے یہ واقعہ اکثر معتبر اشخاص کی زبانی سنا ہی"

نظام الدین احمد اس واقعہ کی تصدیق کرتے ہوئے اُس دھمکی کا بھی ذکر کرتا ہی جو سلطان نے شیخ کو بنگال سے دی تھی اور پھر شیخ کا جواب بھی لکھتا ہی،

بدایونی نے اس واقعہ کو اس طرح نقل کیا ہی:-

"سلطان تغلق شاہ اپنے ہمراہ بہادر شاہ (حاکم بنگال) کو لیکر دہلی منصور و فتحمند لوٹا۔ الغ خان نے اس خبر کے سنتے ہی حکم دیا کہ فوراً افغان پور کے قریب ایک بلند عمدہ محل تیار کیا جائے، تین دن مین یہ بنکر تیار ہو گیا، تاکہ سلطان پہلے یہین اترے اور رات ارام سے گزار کر تزک و احتشام کے ساتھ پھر تغلق آباد مین داخل ہو،

"سلطان وہان پہنچا اور الغ خان مع امرا اور روسا کے اس سے ملنے کو گیا، اس کے استقبال مین اس نے ایک دعوت بھی کی، سلطان نے حکم دیا کہ ہاتھیون کی ایک دوڑ کرائی جائے اور چونکہ محل کی بنیاد ابھی تازہ پڑی تھی، ہاتھیون کے دھماکے سے متزلزل ہونے لگی، یہ دیکھکر کہ سلطان اٹھ رہا ہی، لوگ بغیر ہاتھ دھوئے خیمے سے باہر نکل آئے، سلطان تغلق شاہ ہاتھ دھوتا ہی رہا، نتیجہ یہ ہوا کہ اسے زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا اور محل اس کے اوپر گر پڑا،

"ہم کو اس واقعہ سے چشم پوشی نہین کرنی چاہئے کہ ایسے محل بنوانے سے جو بالکل غیر ضروری تھا یہ شبہہ پیدا ہوتا ہی کہ الغ خان نے اسے بلا بنیاد کے بنوایا ہو جیسا کہ اکثر بیان کیا جاتا ہی، لیکن مصنف "تاریخ فیروز شاہی" اس کا کوئی تذکرہ نہین کرتا ہے اس نے شاید فیروز کی خوشامد اور اس کے لحاظ کی وجہ سے ایسا کیا ہو"

بدایونی نے بھی بادشاہ کی دھمکی اور شیخ کے جواب کا ذکر کیا ہی،

فرشتہ اس مسئلہ پر اس طرح بحث کرتا ہے:-

"جب الغ خان نے سنا کہ اس کا باپ واپس آرہا ہے تو اس نے افغان پور کے قریب ایک خیمہ بنوایا تاکہ سلطان جب پہونچے تو رات وہین گزارے اور صبح کو جب شہر آراستہ پیراستہ ہو جائے اور شاہانہ خیر مقدم کی تیاریان مکمل ہو جائین تو وہ شان کے ساتھ شہر مین داخل ہو، سلطان وہان پہنچکر اترا اور تغلق آباد مین ہر طرح کی خوشیان منائی جارہی تھین، دوسرے دن صبح کو الغ خان اور دیگر امرا کو سلطان نے شرف دست بوسی بخشا، اور اس کے بعد تمام لوگون کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھا، جب دسترخوان اٹھایا جارہا تھا اور لوگون نے یہ سمجھا کہ بادشاہ اٹھنے کو ہے، وہ بلا ہاتھ دھوئے باہر نکل آئے، الغ خان جس کی موت کی گھڑی ابھی نہین آئی تھی، اس غرض سے باہر نکلا کہ گھوڑون اور ہاتھیون کی صف آرائی کرے، اس عرصہ مین چھت گری اور سلطان نے مع پانچ اشخاص کے خدائے تعالیٰ کی آغوش رحمت مین جگہ پائی،

"بعض تاریخون مین یہ لکھا ہی کہ خیمہ چونکہ تازہ بنا ہوا تھا، ہاتھیون کے دھمک سے گر پڑا، اور بعض مورخون نے یہ کہا ہے کہ ایسے خیمہ کی تعمیر جو غیر ضروری تھا، یہ شبہہ پیدا کرتی ہے کہ الغ خان نے اپنے باپ کی موت کے لئے پہلے ہی سے یہ تدبیرین کر لی تھین، ضیاء برنی نے جس نے اپنی تاریخ فیروز کے عہد مین لکھی، سلطان کے خوف سے اظہار حقیقت سے پہلو تہی کی، لیکن دانشمند اصحاب

پر یہ امر واضح ہو کہ یہ بیان سراسر خلاف عقل ہی کیونکہ الغ خان اپنے باپ کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھا ہوا تھا، اس معجزہ کی اسے کہاں طاقت کہ خیمہ عین اس وقت گرے جب وہ باہر نکلے، سب سے پرلطف قصہ صدر جہان گجراتی کا ہی، اس نے اپنی تاریخ مین لکھا ہی کہ الغ خان نے ایک طلسم کے ذریعہ سے خیمہ بنایا تھا، چنانچہ جسوقت طلسم ٹوٹا، فوراً چھت گر پڑی، حاجی محمد قندھاری نے اپنی تاریخ مین یہ بیان کیا ہے کہ جب سلطان ہاتھ دھونے مین مصروف تھا، ایک بجلی آسمان سے نازل ہوئی اور چھت پھٹ کر اس کے سر پر گری، یہ بیان قرین قیاس معلوم ہوتا ہے لیکن صحیح واقعہ کی خبر خدا ہی کو ہے"

ان بیانات مین چھوٹے چھوٹے اختلافات چندان قابل لحاظ نہین، فرشتہ کا اشارہ بعض مورخین سے نظام الدین احمد پر ایک مخفی حملہ ہے کیونکہ اس کی یہ عادت ہی کہ جس ہانڈی مین کھاتا ہی اسی مین چھید کرتا ہے، حاجی محمد قندھاری کا بیان غالباً برنی کے لفظ کی غلط فہمی کی بنا پر ہے، فرشتہ کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ محمد جونا کی مدافعت کر رہا ہے لیکن ابن بطوطہ کے بیان سے جو عینی شہادت پر مبنی ہی ساری حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے، وہ کہتا ہے کہ عمارت زیادہ تر لکڑی کی بنی تھی اور لکڑی ہی کی بنیاد پر قائم بھی تھی، مشہور ملک زادہ اور احمد بن ایاز (خواجہ جہان) کی نگرانی مین تیار ہوئی تھی؛ ابن بطوطہ نے عمارت کی اصلیت یہ بیان کی ہی، اس عمارت کی تعمیر مین جو راز مضمر تھا وہ یہ کہ اسکی ساخت اس طریقہ پر تھی کہ جب ہاتھی اس کے کسی جانب سے گزرین تو وہ فوراً گر جائے، مورخ مذکور نے اس سازش کی تفصیل سے بحث نہین کی لیکن اس کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہی کہ صدر جہان کا سارا طلسم یہ تھا کہ بنیاد سے ایک شہتیر ایسا لگایا گیا تھا کہ ہاتھی کے گذرتے ہی وہ اپنی جگہ سے کھسک جائے اور ساری عمارت گر پڑے، ابن بطوطہ اس واقعہ کو ان الفاظ مین بیان کرتا ہے:۔

"سلطان خیمہ مین اترا، امرا و اعیان سلطنت دعوت کھا کر منتشر ہو گئے، محمد نے اپنے باپ سے ہاتھیون کو صف آرا کرنے کی اجازت چاہی اور وہ راضی ہو گیا، شیخ رکن الدین نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ اور

سلطان کا عزیز بیٹا محمود دونون اس کے ساتھ تھے، محمد نے اگر شیخ سے کہا کہ اب شام ہو گئی ہے، چلئے آرام کیجئے؛ شیخ اتر آئے اور ہاتھی خیمہ کے ایک جانب لائے گئے، ان کے آتے ہی خیمہ سلطان اور اسکے بیٹے محمود پر گر پڑا، شیخ نے یہ مجھ سے کہا کہ مین یہ آواز سنکر لوٹا اور کیا دیکھتا ہون کہ خیمہ سلطان کے اوپر گر پڑا ہے؛ شہزادے نے حکم دیا کہ کلہاڑیان اور پھاوڑے لاکر اسے نکالین، لوگ غروب آفتاب کے وقت لائے اور کھودا، سلطان اپنے بیٹے محمود کے اوپر اس طرح لپٹا ہوا پایا گیا گویا اسے بچا رہا تھا، بعض یہ کہتے ہین کہ سلطان جب کھود کر نکالا گیا تو مر چکا تھا، اور بعض کا یہ بیان ہی کہ وہ زندہ تھا، اس کے بیٹے محمد نے اس کے دفن کرنے کا سامان کیا اور رات ہی کے وقت وہ تغلق آباد سے باہر اس قبر مین جسے اس نے اپنے لئے بنوا رکھی تھی، دفن کیا گیا...... اس سازش کی بنا پر جو امیر خواجہ جہان (احمد بن ایاز) نے اس عمارت کی تعمیر مین کی تھی، وہ سلطان محمد تغلق کا محبوب نظر بن گیا اور سب سے بڑے عہدہ پر مامور کیا گیا؛

ابن بطوطہ کا غیر جانبدارانہ بیان فیصلہ قطعی ہے، یہ ایک ایسے شخص کی شہادت پر مبنی ہی جو خود موقع پر موجود تھا، ہاتھیون کی صف آرائی خود محمد جونا کی تجویز سے عمل مین آئی جس کے سبب سے یہ بلا نازل ہوئی اور احمد بن ایاز کا جو غیاث الدین تغلق کے عہد مین ایک معمولی نگران عمارت تھا، محمد تغلق کی تخت نشینی پر یکایک وزیر سلطنت کے عہدہ پر پہنچنا سلسلۂ شہادت کی تکمیل کر دیتا ہے؛

تلخیص و تبصرہ

سلمان ساوجی

خاک ایران کے ان علمی فرزندون مین سے جنھون نے جدید تعلیم سے فیض پاکر اپنی زندگی کا بڑا فرض اپنے بزرگون کی معنوی دولت کی حفاظت اور ترقی قرار دیا ہی، ایک مرزا عبداللہ بن عبدالغفار تبریزی ہین، میرزا موصوف روسی زبان مین کامل دستگاہ رکھتے ہین اور اپنی عمر کا بڑا حصہ روسی تعلیم گاہون مین صرف کیا ہی، جنگ سے پہلے وہ ماسکو کے مدرسۂ السنۂ شرقیہ مین پروفیسر تھے، انقلاب روس کے بعد وہ اسٹریا چلے آئے اور اب تک وہین مقیم ہین، موصوف نے ایرانشہر برلن (صفر سنہ ۱۳۴۱ھ) مین سلمان ساوجی پر ایک مختصر مضمون لکھا ہی جس کی ہم ذیل مین تلخیص کرتے ہین،

آٹھوین صدی ہجری مین خاک پاک ایران سے جو نامور شعرا پیدا ہوئے ان کے سرخیل یقیناً خواجہ حافظ شیرازی ہین، لیکن حافظ کے بعد جس کا نام لیا جا سکتا ہی وہ سلمان ساوجی ہی، سلمان کی ولادت کا سال سنہ ۷۰۹ھ اور وفات کا ۷۷۸ھ ہی، سلمان کی غزل سرائی کی عمر، خواجہ حافظ کی شیرین نوائی کی عمر سے دس سال بڑی ہی، مشرقی ایران کی بزم سخن شاہان آل مظفر کی سرپرستی مین حافظ کے دم سے روشن تھی، تو شمالی مغربی ایران کا گلشن سخن جلائری سلاطین کی باغبانی مین سلمان ساوجی کے نغمۂ ترنم سے معمور تھا، آل مظفر کا پایہ تخت شیراز تھا اور جلائری خاندان کا تبریز، خواجہ حافظ شیراز مین چہک رہے تھے، اور سلمان تبریز مین،

باوجود اس کامل ہمسری اور ہمعصری کے یہ واقعہ تعجب انگیز ہی کہ حافظ کا دیوان آج بچہ بچہ کے ہاتھ مین ہی، لیکن سلمان کا دیوان بڑے بوڑھون کی بغل مین بھی نظر نہین آتا، دنیا مین فارسی ادبیات کا کوئی اہل ذوق ایسا نہو گا جو حافظ سے آشنا نہو، دنیا کی مختلف زبانون مین ان کے دیوان کے تراجم موجود ہین، دنیائے تمدن کے ہر گوشہ مین ان کے دیوان کے اعلیٰ وادنیٰ سینکڑون اڈیشن شائع ہو چکے ہین، مگر سلمان کا دیوان اب تک فراموشی کے طاق پر گرد آلود پڑا ہے، یہان تک کہ خود ایران مین بھی اس کا کوئی کامل نسخہ چھپکر شائع نہین ہوا ہی، اس سوال کا جواب مشہور جرمن شاعر گوئٹے (GOUTHE) نے ایرانی شعرا کی مدح وستائش کی تقریب مین جو الفاظ کہے ہین ان سے ممکن ہی، وہ کہتا ہے:-

"اہل ایران نے اپنے قدیم شعرا مین سے صرف سات نامورون کو چن لیا ہے، حالانکہ باقی ماندہ اشخاص مین بہت سے ایسے شعرا ہین جو مجھ سے بمراتب بہتر ہین"

ماسکو کے مدرسۂ السنۂ مشرقیہ لازاروف مین، سلمان کے کلیات کا ایک قلمی نسخہ (نمبر ۶،۷،۸) نہایت عمدہ اور نہایت نادر موجود ہی، اس کی سب سے بڑی ندرت اور قیمت یہ ہی کہ یہ سلمان کے ان تمام نسخون سے سب سے زیادہ مکمل ہی، جو یورپ کے مختلف مشرقی کتبخانون مین ہین، اور جوان کی فہرستون مین مذکور ہی، افسوس ہی کہ اس نسخہ پر کتابت کی تاریخ درج نہین، مگر خط سے اندازہ ہوتا ہی کہ یہ تیموری سلطنت کے اواخر عہد مین بلکہ سلطنت صفویہ کے اوائل مین لکھا گیا ہی، اس فرض کی بنا پر یہ نسخہ سلمان کے ڈیڑھ سو برس کے بعد تکمیل پایا ہی، ماسکو کے مدرسہ السنۂ مشرقیہ کے کتابخانہ مین ایک نسخہ بمبئی کا چھپا ہوا بھی موجود ہی، اس نسخہ پر بھی تاریخ درج نہین ہی لیکن قرینہ سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ سنہ ۱۳۰۹ھ مین چھپا ہی، گو کہ یہ کلیات کے نام سے چھپا ہی لیکن یہ بالکل نامکمل ہی،

سنہ ۱۹۱۱ء مین، خاکسار نے سلمان کی پہلی بیس غزلین اسی قلمی نسخہ سے نقل کرکے اور مذکورہ

مطبوعہ نسخہ سے مطابقت کرکے روسی ترجمہ کے ساتھ، "الشرقیات" کے مجموعہ مین چھپوایا تھا، یہ مجموعہ مشہور روسی مستشرق الکسی دیسے لوبسکی (WEASOLOESKY) کی سی سالہ خدمت پروفیسری کی تقریب مین پروفیسر موصوف کے دوستون اور شاگردون نے ترتیب دیا تھا،

اس کے بعد اسی قلمی نسخہ سے لیکر "جمشید و خورشید" کی داستان کی نقل کرکے چھپوانیکا مصمم ارادہ تھا کہ یہ منحوس جنگ شروع ہوگئی، اور اس کے بعد روس مین ایسے انقلابات پیش آئے کہ یہ تمنا پوری نہ ہوسکی، سلمان نے داستان مذکور کو اس خوبی سے نظم کیا ہو کہ اگر یہ ذوق شناسان سخن کے پاس نہ پہونچے تو یہ سلمان کی روح پر ظلم ہوگا،

خط میخی کے اکتشاف کی تاریخ

ایران کی قدیم عمارتون پر سینکڑون سنگی کتبے اور نوشتے ایک خاص خط مین منقوش ہین جس کو اب خط میخی کہتے ہین، کہ ان کی ظاہری شکل میخ اور کیل سے مشابہ ہو، یہ قدیم خط ہمیشہ سے معما تھا یہان تک کہ انیسوین صدی کے دوسرے سال مین یہ یورپ کے مستشرقین اور سیاحون کی صدسالہ کوششون اور محنتون سے حل ہوا، اور ان کو پڑھکر قدیم ایران کی مردہ تاریخ کے بہت سے واقعات زندہ ہوئے، اور بہت سے گذشتہ بادشاہون کے نام جو یونانی تلفظ مین کچھ سے کچھ ہوگئے تھے ان کی تصحیح ہوئی،

اس خط کے اکتشاف اور حل کی تاریخ ہم کو اس لئے پڑھنا چاہئے تاکہ ہم کو مستشرقین کی ان محنتون اور کاوشون کا اندازہ ہو جو وہ علم کے شوق مین غیر قومون اور بیرونی ملکون کی تاریخ کے احیا مین کر رہے ہین، سب سے پہلا کامفر نام ایک یورپین سیاح ایران نے ۱۷۱۲ء مین اس خط کا نام "خط میخی" تجویز کیا، ۱۶۷۴ء مین ایک اور یورپین سیاح نوبردین کی معیت مین اس نے اصطخر

کے کتبہ کو نقل کیا، اس کے بعد ۱۷۶۵ء مین جرمن سیاح نیوبر (NEIBUHR) نے عرب اور ایران کی سیاحت کی اور ان کتبون کی متعدد نقلین حاصل کین جو مدت تک مستشرقین کے ہاتھون مین اس خط کے متعلق تنہا سرمایۂ معلومات رہین،

۱۸۰۲ء مین سب سے پہلی دفعہ اس خط کے چند الفاظ پڑھے گئے، اس دریافت کا فخر جرمنی کے ایک مستشرق سیاح گروٹفنڈ (Grotefend) کو حاصل ہو، اس نے دو تین لفظ پڑھے، اور ان کی مدد سے اس خط کی الف با کے چند حروف متعین کئے، ۱۸۲۶ء مین کوہ الوند اور وان مین کچھ کتبے پائے گئے، ۱۸۳۹ء مین ریچ (Rich) نے اپنا سفرنامۂ ایران شائع کیا، ۱۸۴۳ء مین وسٹرگارڈ ایک ڈنمارکی سیاح نے تخت رستم کے کتبون کی نقل لی، اس کے بعد انگریز مستشرق رالنسن (Rawlinson) نے ۱۸۳۶ء اور ۱۸۴۴ء مین بیستون کے کتبون کے چربے لئے، ۱۸۴۰ء مین فرانس کی حکومت نے اپنے تین سیاح مہندسون کو ایران بھیجا جن کے نام یہ تھے، پاسکال دی کوسٹ (Pascal de Coste) ٹکزیے (Texier) اور فلانڈن (Flandin) ان لوگون نے اکثر میخی خطوط کے عکس لئے، اور ایک مفید سفرنامہ لکھکر فرانس واپس آئے، لیکن جو شخص خط میخی کی تمام اور کامل نقلین یورپ مین لایا وہ جرمن سیاح ستولزے (Stolze) ہے، اس نے ۱۸۷۴ء مین چودہ سو سے زیادہ کتبون کی نقلین لین، اور جرمنی واپس آکر پروفیسر نولڈیکے اور پروفیسر اندریے کی مدد سے خط میخی کی تحقیق مین ایک بہترین کتاب لکھکر شائع کی،

اس کے بعد شخصی اور مختلف علمی وفود کی کوششین اس خط کی تحقیق مین صرف ہوتی ہین، انگریز عالم رالنسن نے ۱۸۴۶ء مین بیستون کے کتبہ کے دو جملہ کا ترجمہ کرکے لندن کی ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالہ مین چھپوایا، اور اس کے چند سال بعد ۱۸۴۶ء مین دو اور حرف پڑھکر اس خط کے متعلق اپنی یادداشت شائع کی،

اس خط کی الف بائی یعنی حروف تہجی کی ترتیب تعیین اور تحقیق مین علمائے یورپ کے پورے پچاس سال صرف ہوئے اور تب جاکر بڑے جھگڑون مناقشون، اور مباحثون کے بعد بالآخر ایک الف باتعین ہوئی، اوراس کی پوری شکلین ترتیب کو پہنچین، ذیل کی جدول مین ان حروف کے دریافت کنندون کے نام مع قومیت اور سال دریافت ہم درج کرتے این،

نام	قومیت	کتنے حروف پڑھے	سال دریافت
ٹینجن	جرمن	۴	۱۷۹۸ء
ہنٹر	جرمن	۲	۱۸۰۰ء
گروٹفنڈ	جرمن	۱۲	۱۸۰۲ء و ۱۸۱۵ء
سینٹ مارٹن	فرنچ	۲	۱۸۲۳ء
راسک	ڈنمارکی	۲	۱۸۳۶ء
بورنوف	فرنچ	۲	۱۸۳۶ء و ۱۸۴۳ء
لاسن	ناروی	۲	۱۸۴۶ء
تراکے	بلجیمی	۲	۱۸۳۸ء
رالنسن	انگریز	۵	۱۸۳۹ء و ۱۸۴۶ء
ہوئٹزمان	جرمن	۱	۱۸۴۶ء
اوپرٹ	فرنچ	۶/۴۴	۱۸۴۶ء و ۱۸۷۴ء

ان ۴۴ حروف کے علاوہ آٹھ حروف ایسے بھی ہین جواب تک پڑھے نہین گئے ہین، جن کو ملا کر خط میخی کے کل ۵۲ حروف ہوتے ہین ؛

اخبار علمیۃ

ریاستہائے امریکہ کی حکومت نے یہ قانون نافذ کیا ہو کہ جب تک کتابون پر، ان کے چھپنے کا ملک نہ لکھا ہوگا وہ امریکہ کی حدود مین نہ داخل ہو سکینگی، کناڈا نے بھی اس کی تقلید کی ہو،

مسٹر ایس، پرسی اسمتھ کی موت، عالم تاریخ کا حادثہ عظیم ہے، وہ مسوری قوم کی تاریخ، روایات، مذہب، اور تمام دوسری خصوصیات کے لئے سند تھے، انھون نے چالیس سال تک نیوزیلینڈ مین اسی قبیلہ کے ساتھ گذارے تھے؛ ۱۹۰۰ء مین وہان سے واپس آکر اسی قوم کے متعلق مضامین و رسائل لکھا کرتے تھے، حال ہی مین ان کی کتاب کا جو انھون نے اس قوم کی تاریخ پر لکھی ہے چوتھا اڈیشن شائع ہوا ہو؛

ابن مسکویہ کی تجارب الامم سات جلدون مین ہو؛ زمانہ ہوا ڈی، گیوجی نے لیڈن سے اسکی چھٹی جلد شائع کی تھی، اب پروفیسر مارگولیس نے ساتون جلدون کو مع ترجمہ کے شائع کیا ہے؛ مسٹر ایچ، الیف، امردوز بھی پروفیسر موصوف کے شریک کار تھے، لیکن عمر نے وفا نہ کی، اور پروفیسر موصوف کو تنہا اس کو تکمیل تک پہنچانا پڑا، ساتون جلدون کی قیمت، پونڈ، سات شلنگ ہو؛

موسیو ہنری بر کے زیرادارت لی ایوولیوشن ڈی لی ہیومنائٹ، (ارتقاء انسانی) پر سو جلدون مین اس موضوع کی دائرۃ المعارف لکھی جائیگی؛ حال مین اس کی چوتھی جلد پیرس سے

شائع ہوئی ہو، اس سلسلہ کی وسعت، ضخامت اور ہمہ گیری کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ چوتھی جلد ۴۵۰ طویل صفحون پر مشتمل ہو، اور جن اہم کتابون سے مدد لیگئی ہو ان کی تعداد ۲۲۰۰ تک پہونچی ہے،

اکتوبر مین آکسفورڈ یونیورسٹی کے تاریخ قدیم کے کیمڈن پروفیسر شپ کی سہ صدی رسم ادا کیگئی اور اس شعبہ کے چھ پروفیسرون کو اس تقریب پر ڈاکٹر آف لیٹرس کی اعزازی ڈگریان دی گئین،

وائنا یونیورسٹی کا ہال ۱۹۱۴ء سے مرمت نہ ہوسکا اور اب بالکل کام کے لائق نہین ہو، بدبخت اقوام کی تباہی کا اس سے زیادہ دردناک کوئی منظر نہین ہوسکتا،

---

۱۵ جنوری ۱۹۲۰ء کو قاہرہ مین، برطانوی باشندون کے بچون کیلئے ایک اسکول کھولا گیا تھا اور اس امید پر کہ دو سال مین اسکول خود اپنا کفیل ہو جائیگا، حکومت برطانیہ سے صرف اس قلیل میعاد کے لئے ۴۰۰ پونڈ سالانہ لیا گیا تھا، لیکن وہ اسکول اب تک اس قابل نہین ہوا ہو اور منتظمین نے امداد کیلئے پھر درخواست دی ہو،

---

۱۴ اکتوبر کو پروفیسر جارج سینٹبری کی ۷۰ وین سالگرہ منائی گئی اور اس موقع پر ان کے احباب اور شاگردون نے ان کو اڈریس پیش کئے،

ریاستہائے امریکہ کی حکومت نے بیس ہزار ڈالر کا انعام اس شخص کے لئے مقرر کیا ہے،

جو اخلاقی تعلیم کیلئے بہترین اصول پر ایک کتاب لکھ سکے،

انگلستان کے انقلاب وزارت کے ساتھ، تعلیمی وزارت بھی بدل گئی ہو، اور اب مسٹر فشر کی بجائے مسٹر ووڈ، بورڈ آف ایجوکیشن (مجلس تعلیم) کے صدر ہین،

فرانسیسی طیارچی مسٹر الگزنڈر منی رول نے ڈیلی میل کا ایک ہزار پونڈ کا انعام پرواز حاصل کیا ہو،

گذشتہ اکتوبر کی ۱۰ کو سب سے بڑے شہاب ثاقب کو دیکھا گیا، حجامت اور بعد مسافت کے لحاظ سے اب تک کوئی اسکا ثانی نہین پایا گیا تھا،

مسٹر جی، ایچ، سے ملوری نے جو گذشتہ مئی کے مہم ایورسٹ کے رہنما تھے ایک تقریر کے دوران مین یہ رائے ظاہر کی ہو کہ وہ آکسیجن کے بغیر کلہ کوہ تک پہونچ سکتے ہین، گذشتہ مہم مین وہ ۲۶۸۰۰ فٹ تک پہونچ گئے تھے،

برطانیہ کا معمر ترین امیر البحر سر الگزنڈر ڈی ہورسے ۹۵ سال کی عمر مین مرا، وہ ۱۸۴۰ء مین نوکر ہوا تھا اور سنہ ۱۹۲۰ء تک مختلف فرائض انجام دینے کے بعد ملازمت سے الگ ہوا تھا،

لندن کی گذشتہ مردم شماری کے اعداد کی رپورٹ حال مین شائع ہوئی ہو، اس سے پتہ چلتا ہو کہ لندن کی آبادی برابر گھٹ رہی ہے،

سنہ ۱۹۰۱ء مین ۴۵۳۶۲۶۷ تھی سنہ ۱۹۱۱ء مین ۴۵۲۱۶۸۵ ہوئی اور سنہ ۱۹۲۱ء مین ۴۴۸۴۵۲۳ رہگئی ہو،

اسی سلسلہ مین یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہین کہ انگلستان کر لئے دینے والے حلقون مین عورتون کی تعداد بڑھ رہی ہے اور ایک حلقہ مین تو مردون سے بھی زیادہ ہے۔

لندن اور اس کے ملحقات کے اعداد و شمار مین ذیل کی چیز کے معلومات بھی دلچسپ ہین،

مردون مین :—

ناکتخدا	۱۱۳۱۸۸۹
شادی شدہ	۸۶۵۳۰۰
جنکی بیویان مرگئین	۷۰۲۴۵۹
طلاق سے جدا شدہ	۱۹۳۱

اور عورتون مین

ناکتخدا	۱۳۰۹۸۲۸
شادی شدہ	۸۷۷۲۹۸
بیوہ	۲۲۳۶۱۵
طلاق یافتہ	۲۲۰۳

بیواؤن کی تعداد مین ۲۶۹۲۲ کا اضافہ ہے، ان مین سے ۱۱۰۰۰ سے زیادہ ۲۰ سے ۳۰ تک کے عمر کی ہین اور شاید ایام جنگ کی بیوہ شدہ ہین۔

لندن یونیورسٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ حکومت برطانیہ کی ایک ہزار زبانون کے دو لاکھ گرامفونی ریکرڈ رکھے جائین تاکہ طلباء اور محققین کو زبان کے مطالعہ و تعلیم مین سہولت ہو۔

حال مین لندن مین ایک گائے لائی گئی ہے جو سال مین تقریبا ۴۰۰۰ گیلن دودھ دیتی ہے، اس کو دن مین چار مرتبہ دوہا جاتا ہے۔ چار سال قبل ۲۰۰۰ گیلن دودھ والی گائے آئی تھی، اب اس قسم کی ۹۰ گائین برطانیہ مین ہین۔

انگلستان کے مشہور مصور انریبل جان کولیر نے ایک تصویر بنائی تھی جس مین دکھایا گیا تھا کہ ایک شہزادی اپنے شوہر کو قتل کر کے نکل رہی ہے، بلیک پول کی میونسپلٹی نے اسے اس بنا پر خریدنے سے انکار کر دیا کہ اس سے لوگون کی اخلاقی حالت پر برا اثر پڑیگا، تصویر کی قیمت ۲۰۰ پونڈ ہے، مصور موصوف کا خیال ہے کہ اگر یہ اصول تسلیم کر لیا گیا تو تمام بہترین غمناک تصاویر کو فن تصویر کشی سے خارج کر دینا پڑیگا۔

مشہور نقاش مسٹر ملکالم اسٹراس نے تمام دنیا کی سیاحت کے بعد ایک مضمون حسن پر لکھا ہے، ان کا خیال ہے کہ کمال تناسب کا نام حسن ہے اور اس لحاظ سے صرف تین عورتین ان کے معیار مین پوری ہوئین۔

پروفیسر ہرس نے بجلی کے ذریعہ ثبوت زندگی کا طریقہ ایجاد کیا ہے، ان کا قول ہے کہ اگر ایک انڈے کے متعلق یہ معلوم کرنا ہو کہ اس مین جان پیدا ہو گئی ہے یا نہین، تو چاہئے کہ بجلی کی لہر اس تک پہنچائے اور اگر اس سے بھی لہر پیدا ہو تو سمجھین کہ اس مین جان پیدا ہو گئی ہے اسی طرح بیجون کے متعلق بھی فیصلہ ہو سکتا ہے کہ وہ قابل نمو ہین یا نہین۔

بیرہ (ساحل افریقیہ) مین ایک عظیم الجثہ دریائی جانور پایا گیا ہی، اس کا طول ۱۹½ فٹ، عرض ۱۰ فٹ، بلندی ۴ فٹ اور وزن ۷ سے ۱۰ ٹن تک ہی؛

ماہرین کیمیا نے وہ تمام اجزا معلوم کرلئے ہین، جن سے انسان کا جسم بنتا ہی، اور اس کے بنانے مین بھی کامیابی حاصل کی ہی، لیکن سانس نہ پیدا کر سکے کہ وہ ان کے بس سے باہر کی چیز ہی؛

ڈاکٹر ملگنن کوشش کر رہے تھے کہ وہ ایسے پر بنائین جنکو لگا کر آدمی پرندون کی طرح عالم بالا کی سیر کر سکے (اڑ سکے) اب وہ اس مین کامیاب ہوگئے ہین، اور چند دنون مین ان مصنوعی پرون کا امتحان ہوگا؛

جزیرہ ملیکولہ کی یہ عجیب رسم ہی کہ دلہن کے دونون اگلے دانت توڑ دئے جاتے ہین، ایک لڑکی کی شادی کیلئے لازمی ہی کہ اس کا سر مخروطی ہو، ورنہ اس کی شادی نہ ہوگی اور تمام عمر اس کو کنواری ہی رہنا پڑیگا؛

امراض ناک وحلق کے ایک ماہر نے ایک آلہ ایجاد کیا ہی جو خیمہ کی طرح دونون نتھنون مین لگایا جاتا ہی، اس کا دعوی ہی کہ اس طرح ہوا چھن کر جاتی ہی اور آدمی ناک اور حلق کے تمام امراض سے محفوظ رہتا ہی؛

کلیفورنیا کے ۱۱ ایکڑ کے ایک باغ کو برف اور کہرے سے محفوظ رکھنے کے لئے، اس کے گرد

چار بڑے بڑے مینارے بنائے گئے ہین اور اس مین بیس بیس فٹ کے پنکھے لگے ہوئے ہین، مینارون کے زیرین حصہ مین آگ سلگائی جاتی ہی اور یہ پنکھے اس کی حرارت کو تمام باغ مین پھیلا دیتے ہین اور اس طرح ہوا گرم ہوکر برف اور کہرے کی صورت مین باغ مین نہین گرنے پاتی؛

کیمبرج یونیورسٹی نے انسائیکلوپیڈیا برطانیہ کی تین نئی جلدین شائع کی ہین، جو تمام تر گذشتہ عالمگیر جنگ کی نئی ایجادات واصطلاحات پر مشتمل ہین؛

پال مال گلوپ راوی ہی کہ مصر مین تنباکو کی کاشت گذشتہ صدی کے اواخر تک بکثرت ہوتی تھی، لیکن برطانی قبضہ کے بعد ہی حکومت نے اس کو قانوناً روک دیا، اور اس پر اس قدر بھاری محصول لگا دیا کہ لوگ اس کی تجارت سے آہستہ آہستہ دست کش ہونے لگے، لیکن اب تبدیل حکومت کے بعد پھر مصری سلطنت ادھر اپنی توجہ بڑھا رہی ہی، اور دوبارہ اس مسئلہ پر غور کر رہی ہے کہ آیا اسکی کاشت پھر اپنی پہلی رونق پر آسکتی ہی یا نہین، اور ۱۸۹۰ء تک نیل کے پاس کی جن زمینون پر اس کی کاشت ہوتی تھی، ان کے علاوہ اور دوسری زمینین اس مصرف مین آسکتی ہین یا نہین، چنانچہ اس کی تحقیق اور معاینہ کے لئے کوبا اور تھریس سے تنباکو کی کاشت کے ماہرین بلائے گئے ہین؛

گذشتہ جنگ عظیم مین ترکون نے جو جانی قربانیان کی ہین ترکی وزارت جنگ نے ان کی رپورٹ شائع کی ہی، جس وقت اعلان جنگ ہوا، ترکی کے پاس کل ایک لاکھ پچیس ہزار باقاعدہ فوج تھی، اور مسلح لوگون کی تعداد دس لاکھ بتیس ہزار نو سو تھی، لیکن اثنائے جنگ مین اس کی فوج کی تعداد ۲۸ لاکھ، ۵۰ ہزار ہوگئی، جن مین تین لاکھ ۲۵ ہزار افسر اور سپاہی میدان جنگ مین کام آئے، اور

چار لاکھ زخمی ہوئی، اور پندرہ لاکھ ۶۵ ہزار مفرور اور قید ہوئے، اور جس وقت التوائے جنگ ہوئی ہی اس وقت ترکی فوج مین صرف ایک لاکھ ۶۵ ہزار آدمی تھے،

جنگ سے پہلے امریکہ اور دول یورپ کی قومی ثروت، اور جنگ کے قرضون کا اندازہ حسب ذیل ہی، ایک ملین ۱۰ لاکھ کا نام ہی،

نام	اندازۂ دولت قبل از جنگ	قرض تا سال گذشتہ
ریاستہائے متحدہ امریکہ	۵۰ ہزار ملین پونڈ	۴،۹۵ ملین پونڈ
برطانیہ	۱۷ ہزار ملین پونڈ	۷،۶۲۴ ملین پونڈ
فرانس	۱۳ ہزار ملین پونڈ	۱۲۰۶۰ ملین پونڈ
روس	۱۲ ہزار ملین پونڈ	قرض سے انکار
جرمنی	۱۷ ہزار ملین پونڈ	۱۲۴۴۲ ملین پونڈ
آسٹریا	۸ ہزار ملین پونڈ	تقریبًا دیوالیہ
اٹلی	۶ ہزار ملین پونڈ	۲۹۰۳ ملین پونڈ

اوکسفورڈ کے ایک پروفیسر صاحب نے حساب لگا کر بتایا ہی کہ کل ستارون کی تعداد ۵ کرور پچاس ہزار ہے،

شتر مرغ کی اوسط عمر کا اندازہ ستر سال سے زیادہ لگایا گیا ہے،

آثار علمیہ و ادبیہ

نواب علائی اور مرزا غالب

نواب علاؤالدین خان علائی مرحوم، والی لوہارو، اور مرزا غالب کے درمیان جو دوستانہ تعلقات اور مراسم محبت تھے، سوانح غالب کا جاننے والا ان سے بیخبر نہین، یہ تعلقات دوستانہ اور مراسم محبت جو دو ہم عہد باکمال سخنورون مین تھے، افسوس کہ ان کی ادبی یادگارین دنیا سے مٹ رہی ہین، ہم جناب ضیاء اللہ خان صاحب رامپوری کے ممنون ہین کہ انھون نے نواب علائی خان مرحوم کے خلف الرشید نواب مرزا بشیر الدین احمد خان صاحب (لوہارو) سے ذیل کے منظوم رقعے لیکر ہمین عنایت فرمائے ہین،

یہ منظوم رقعے بے تکلفانہ خطوط ہین، نواب صاحب مرزا کو اپنے ہان بلاتے ہین، اور مرزا غالب عذر کرتے ہین کہ وہان آم کہان ملینگے، مرزا غالب آمون کے بہت شائق تھے، نواب صاحب اس کے جواب مین لکھتے ہین کہ انشاء اللہ تمام فرمائشین حاضر ہونگی، مرزا غالب کے اردو اور فارسی قطعات کا جواب نواب صاحب نے انھین بحر و قافیہ مین دیا ہی، اللہ اللہ! نہ اب وہ بامزہ صحبتین ہین، نہ ایسے خوددار اور بامحبت لوگ ہین، نہ ایسے باکمال شاعر ہین نہ ایسے قدردان امراء

رقعہ مرزا غالب بنام نواب علاؤالدین خان مرحوم علائی

خوشی ہی یہ آنے کی برسات کے   پئین بادۂ ناب اور آم کھائین،

سرآغاز موسم مین اندھے ہین ہم — کہ دلّی کو چھوڑین لہارو کو جائین

سوا ناج کے جو ہی مطلوب جان — نہ وان آم پائین نہ انگور پائین،

ہوا حکم باورچیون کو کہ ہان، — ابھی جاکے پوچھو کہ کل کیا پکائین

وہ کھٹے کہان پائین املی کے پھول — وہ کڑوے کریلے کہان سے منگائین

فقط گوشت سو بھیڑ کا ریشہ دار — کہو اس کو ہم کھا کے کیا خط اٹھائین

خوانی بسوے خویش وندانی کہ مردہ ام — دانی کہ مردہ را رہ و رسم خرام نیست

نے تیغ سند وام نہ الٰہ بخش مرگ من — از عالم خیابت و مرگ حرام نیست

جواب از طرف نواب صاحب مرحوم بنام مرزا غالب

خوشی ہے ہمین آنے کی آپ کے — کہ باہم پئین بادہ اور آم کھائین،

سرآغاز موسم مین کیا خوب ہو — جو دلّی سے حضرت لہارو کو آئین

عجب لطف ہی اِن کی برسات مین — کہ کیچڑ کہین نام کو بھی نہ پائین

سرولی کے وہ ڈاک پر سبز آم — وہ دلّی سے انگور ہر شام آئین

کرین حکم باورچیون کو کہ ہان، — ابھی جاکے ہر چیز جلدین پکائین

وہ لین باغ سے جاکے املی کے پھول — وہ جنگل سے کڑوے کریلے منگائین

وہ بے ریشہ بکری کا لحم طری — کہ کیا کیا اسے کھا کے ہم حظ اٹھائین

کہین ان کو بے مہر دکاہل اگر، — لہارو وہ اس بات پر بھی نہ آئین

خوانمت سوئے خویش وندانم کہ مردہ — دانم کہ چون توئی منع خرام نیست

پندارمت زحُسن تجلی لالی بیگ، — مرگت چو تیغ سد و زراہ حرام نیست

ادبیات

عاشقِ مشغولِ قیدی کی فریاد

زندانِ بیجاپور مین

تنہائی کے سب دن ہین تنہائی کی سب راتین — اب ہونے لگین ان سے خلوت مین ملاقاتین

ہر آن تسلی ہے ہر لحظہ تشفی ہے، — ہر وقت ہی دلجوئی، ہر دم ہین مداراتین

کوثر کے تقاضے ہین تسنیم کے ہین وعدے — ہر روز یہی چرچے، ہر رات یہی باتین

معراج کی سی حاصل سجدو ن مین ہی کیفیت — اک فاسق و فاجر مین، اور ایسی کراماتین

بے مایہ ہین ہم لیکن، شاید وہ بلا بھیجین — بھیجی ہین درود ونکی کچھ ہم نے بھی سوغاتین

شیطانون کی چالون سے اب ہو گئے ہین سب تنہا — اب ہونگی الم نشرح طلبونکی سب گھاتین

بیٹھا ہوا توبہ کی، تو خیر منایا کر،

ٹلتین نہین یون جو ہر اس دیس کی برساتین

ایک "قیدی" کی آزاد "بیانی"

فیض محبت سے ہے قیدِ محن — میرے لئے ایک بلائے حسن[1]

شام غریبان کے برابر کہان — مذہبِ عشاق مین صبحِ وطن

---

[1] وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا (سورۂ انفال پارہ نہم)

آہ وہ غارتگر صبر و شکیب ، سلسلۂ زلف شکن در شکن
فتنۂ جان وہ سخن دلپذیر ق دشمنِ دین وہ نگۂ سحر فن ،

جلوۂ جانان سے ہے دار السرور خانۂ جان اب نہین بیت الحزن
مہر و مروت سے تمھین واسطہ یہ بھی حریفون کا ہے اک حسن ظن

جب کہا عشق نے حسرت مجھے
کوئی بھی کہتا نہین فضل الحسن

غزل فارسی

نواب حسام الملک سید محمد علی حسن خان طاہر

در غمِ عشق او دلم از غمِ ما سوا گذشت گشت دوائی دردِ دل درد کہ از دوا گذشت
عزت بے نیازیم کرد بہ یار ہمقرین زود بکام دل رسد ہر کہ ز مدعا گذشت
دق زمین میکدہ سر بسجود پائے خم از لبِ جامِ بادہ پرس انچہ بہ پارسا گذشت
رفت شباب و ما ہنوز مست مئ شبانہ ایم بخت براہ خفتہ ماند، قافلہ بے درا گذشت
عشق نہ عشقِ اول است، حسن نہ حسن یار نو فکر دگر توان نمود، کارِ من از جفا گذشت
من بکمالِ عشقِ خویش چون نہ ز عقل بگذرم گر بکمالِ عقلِ خویش فلسفی از خدا گذشت

چشم براہ و منتظر طاہر و شوخیش ببین
روئے نہفتہ آمد و بیخبر از قفا گذشت

باب التقریظ والانتقاد

ضرورتِ وقت
یعنی
ضعفِ ملّی کا علاج

(از مولوی ابو الحسنات ندوی)

ملک کے موجودہ انقلابات نے لوگون کے خیالات مین جو عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا ہے، اس کا ایک مظہر مسئلۂ تعلیم بھی ہے، یہ تو سب کو نظر آ رہا ہے کہ جس تعلیمی راستہ پر ہم اب تک چل رہے تھے وہ قابل اصلاح ہے لیکن اب تک واضح اور بیّن طریقہ پر قوم کے سامنے کوئی جدید تعلیمی پروگرام پیش نہین کیا گیا جسمین ہر پہلو سے بحث کا استیعاب و استقصا ہو، ابھی حال مین اس مسئلہ پر جناب مولوی محمد تیمور صاحب ام، اے پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور نے مندرجہ بالا نام کی ایک قابل قدر کتاب لکھی ہے جس کا موضوع بحث خود مصنف کے الفاظ مین حسب ذیل ہے،

"ہم نے یورپ سے کیا سیکھا ہے، کیا سیکھنا چاہئے تھا اور آئندہ توجہ کس طرف ہونی چاہئے؟ یہ ایک سوال ہے جو اکثر لوگون کے دل مین ہے اس رسالہ مین اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کیگئی ہے"

کتاب چھ بابون مین منقسم ہے جن کی تفصیل یہ ہے،

پہلا باب۔ ہندوستان کے لوگون نے انگریزی زبان اور مغربی علوم کو کن اغراض سے حاصل کیا اور گورنمنٹ انگریزی اور مشنریون نے مغربی علوم کی ترویج و ترقی مین کیا مصالح سمجھے۔

دوسرا باب۔ مغربی علوم کے اقسام اوران کے فوائد کا مقابلہ، ہندوستانی توجہ کن علوم کی طرف ہو،

تیسرا باب۔ ہندوستان مین صنعت کی پست حالت اوراس کے اسباب،

چوتھا باب۔ صنعتی پستی کے متعلق گورنمنٹ اوراہل ملک کی ذمہ داری،

پانچوان باب۔ عملی تجاویز،

چھٹا باب، قومی ترقی کے لئے کن اخلاق کی ضرورت ہو،

خلاصۂ ابواب

پہلے باب مین نہایت تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ ہندوستان مین انگریزی زبان وفنون کی ترویج واشاعت کی سب سے پہلی کوشش مسیحی مشنریون کی طرف سے ہوئی، جن کا مقصد اشاعت مذہب تھا، لیکن اس سے ہندوستان کی سطح جامد مین کچھ زیادہ قابل لحاظ جنبش نہین پیدا ہوئی، ۱۸۳۷ء مین ایک قانون منظور کیا گیا جس کی رو سے ہندوستانی حکومت کی دفتری زبان فارسی کی بجائے انگریزی قرارپائی اور ۱۸۴۴ء مین لارڈ ہارڈنگ نے اعلان کیا کہ آیندہ تمام سرکاری ملازمتون کے لئے انگریزی دانون کو ترجیح دیجائیگی، یہ قانون اور یہ اعلان مؤثر ثابت ہوا اوراب ہندوستانیون کی توجہ انگریزی تعلیم کی طرف منعطف ہوگئی، اس سیاسی ضرورت کے علاوہ تجارتی ضرورت بھی مصنف کی رائے مین انگریزی زبان کی اشاعت کا ذریعہ ہوئی لیکن مصنف نے سب سے زیادہ مؤثر اور قوی ذریعہ حکومت کے قانون، لارڈ ہارڈنگ کے اعلان اور ہندوستانیون کے جذبۂ حصول مناصب ملکی کو قرار دیا ہی، اس سلسلہ مین تمام ضروری معلومات جمع کردئے گئے ہین، گورنمنٹ کی جد وجہد اور مشہور ومعروف لارڈ میکالے کی تجاویز وغیرہ کے ضروری اقتباسات مندرج ہین، ہندوؤن مین بنگالی قوم کے رہنمائے اعظم راجہ رام موہن رائے اور مسلمانون مین سرسید احمد خان مرحوم کی جماعت کے کارنامے اس بارے مین خاص اہمیت رکھتے ہین، مصنف نے ضروری حد تک ان کا تذکرہ بھی کیا ہی،

اس باب کے آخری چند صفحے مصنف نے اس بحث کیلئے بھی نذر کئے ہین کہ انگریزی حکومت نے جن مقاصد کو پیش نظر رکھکر یہان انگریزی تعلیم کو رواج دیا، اگرچہ وہ اپنے ان مقاصد مین کامیاب ہوئی لیکن ساتھ ہی لوگون مین اسی کی بدولت مساوات حقوق اورآزادی وحریت کے خیالات بھی پیدا ہوگئے، یہ انگریز ارباب فکر کا خیال ہی، خود مصنف کا رجحان اس طرف معلوم ہوتا ہی کہ ہندوستانیون اور انگریزون کے درمیان موجودہ حالات کے پیدا ہونے کا اصلی سبب فریقین کا یہ خیال ہے کہ تم غیر ہو اور ہم غیر ہین یا انگریز شاعر رڈیارڈ کپلنگ کے الفاظ مین،

"مغرب مغرب ہے اور مشرق مشرق اور یہ دونون کبھی آپس مین مل نہین سکتے"

دوسرے باب مین مصنف نے علم کی دو قسمین ذہنی وقیاسی اور عملی وتجربی کے مفہوم مین کی ہین، انسانون کے مختلف مدارج اور دولت کے مفہوم کی علمی تشریح نہایت دلچسپ اور مؤثر طریقہ پر کی ہی، علوم وفنون کے ہر صنف کے منافع وفوائد کو دکھایا ہی اور یہ بتایا ہی کہ سوسائٹی ملک اور قوم کو کن اصناف علم وفن سے زیادہ اور کن سے کم فوائد پہنچتے ہین۔ اس کے بعد یہ دکھایا ہی کہ ہندوستانیون نے زیادہ تر پہلی قسم کے علوم وفنون یعنی ظنی وقیاسی مثلاً ادب، تاریخ، فلسفہ اور کسی قدر علوم سائنس ریاضی کی طرف توجہ کی، اس پر طرہ یہ کہ حکومت نے بھی جو تعلیم اس ملک مین پھیلائی اس کے اصناف واجزا بھی یہی رہے، اور عملی وصنعتی تعلیم کی طرف مدتون کوئی توجہ ہی نہین کی گئی، ان بیانات کو مصنف نے زبردست وصریح دلائل وشواہد سے ثابت کیا ہی، تعلیمی رپورٹون کے پیش کردہ شمار واعداد سے ان کی تائید کی ہی اور آخر مین ان ٹکنیکل اسکولون کا تذکرہ بھی کیا ہے جو مدت کی تباہی وبربادی کے انسداد کیلئے صوبہ بمبئی، مدراس، کلکتہ، سیرام پور، لکھنؤ، اور لاہور مین قائم کئے گئے لیکن ان تعلیم گاہون کی حیثیت تپتے ہوئے ریگستان مین پانی کے چند قطرون سے زیادہ نہین ہی،

تیسرے باب مین پہلے اٹھارہوین صدی عیسوی مین ہندوستان کی ترقی یافتہ تجارتی

حالت دکھاکر ان اسباب کی تشریح کیگئی ہی جن سے ہندوستان کی صنعت وحرفت پر زوال آیا مثلاً
مغربی دنیا مین نئی نئی کلون کا ایجاد ہونا جن کا کامیاب مقابلہ ہندوستان کی دستی صنعتین نہ کرسکین،
حکومت کا انگلستان مین تحفظ تجارت اور ہندوستان مین آزاد تجارت کا اصول اختیار کرنا۔ آگے چلکر
ملک کے موجودہ صنعتی انحطاط کو روکنے کی تدابیر پر بحث کیگئی ہی، اس سلسلہ مین ریلوے سسٹم کی بحث
خاص طور پر قابل ذکر ہی، موجودہ انحطاط کو روکنے کیلئے مثبت اور منفی دونون طرح کے طریقون
کا ذکر کیا گیا ہی، سودیشی تحریک پر بھی کافی بحث موجود ہی۔ آخر مین نہایت خوش سلیقگی کے ساتھ یہ
بھی بتایا گیا ہی کہ اب تک نئے طریق پر ہندوستان نے کتنی صنعتی ترقی کی ہے۔ بحث کے ہر حصہ مین
قطعی دلائل اور مستند اعداد وشمار کو پیش کیا گیا ہے۔

چوتھے باب مین تفصیل کے ساتھ یہ بتایا گیا ہی کہ حکومت نے آغاز عہد سے آج تک صنعتی ترقی
کے لئے کیا کوششین کین، مقبوضہ ممالک مین انگلستان کی صنعتی پالیسی کی نہایت معنی خیز تشریح، پھر
ضروری حد تک جرمنی اور جاپان کی صنعتی ترقی کے ذرائع ووسائل کی تفصیل کی گئی ہی یہان پر
اس حالت کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے جو ہندوستان مین اس کے ایک ماتحت ملک ہونیکی وجہ سے
پیدا ہی، پھر آگے چلکر صنعتی ترقی کیلئے ملک کے ہر طبقہ، نواب، راجہ، طبقہ امرا، متوسطین اور تعلیم یافتہ
اصحاب کے فرائض کی توضیح کی گئی ہی،

پانچوین باب مین عملی تجاویز یعنی صنعتی وزراعتی انجمنون، تعلیم گاہون اور بنکون کے قیام
کی تحریک وتجویز ہے، مصنف نے اس باب کے آغاز مین لکھدیا ہی کہ ہمارا یہ خیال نہین ہے کہ ان کے
علاوہ یا ان سے بہتر اور تجاویز نہین ہوسکتین بلکہ ہم ان کو مثال کے طور پر لکھتے ہین تاکہ اہل الرائے
اصحاب کی اس طرف توجہ ہو،

چھٹے باب مین نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ یہ بتایا گیا ہی کہ قومی ترقی کے لئے کن اخلاق

کی ضرورت ہی، یہان اخلاق سے مراد وہ صفات ہین جن کی وجہ سے بعض لوگ کسی مقصد کو حاصل کرنے
کے لئے مل کر کام کرسکتے ہین۔ اس باب مین مصنف کی قوت تحریر، غور وفکر اور موثر طرز تحریر کا پورا
ظہور ہوا ہی، اسی سلسلہ مین مصنف نے بتایا ہی کہ اطاعت جماعتی، وقومی ترقی کا ضروری عنصر ہے، اور
اس کو نہایت تفصیل کے ساتھ اور نہایت دلچسپ ومؤثر طریقہ پر لکھا اور دکھایا ہے مثلاً
منظم قوم ہونیکا یہ اثر ہے کہ جب وہ زیر حکومت ضرورت ظاہر کرتا ہی کہ لڑائی کیلئے آدمیونکی
ضرورت ہی تو لاکھون آدمی بغیر مجبوری کے اپنی رضامندی سے چلے آتے ہین، ایسے ہی
جب مقتدر اور بارسوخ لوگ کسی مسئلہ پر کچھ لکھدیتے ہین تو ہر شخص کی زبان پر ان کے
الفاظ اور ہر شخص کے دل مین وہی خیالات ہوتے ہین، لباس کا یہ حال ہی کہ جیسا ایک
رہنمایان فیشن پسند کرین ہر شخص وہی لباس پہنتا ہی، اگر یورپ کے کسی شہر مین دیکھا جائے
تو تمام لوگ قریباً ایک ہی قطعہ اور مرد تقریباً ایک ہی رنگ کا لباس پہنے ہوئے ہوتے
ہین، عورتین بھی ان اقسام سے باہر نہین جاسکتین، جو فیشن مین داخل ہین، اگر اونچے
گون کی رسم ہوئی ہے تو جدہر دیکھتے ہین گون پنڈلیون تک یا قریباً گھٹنون تک نظر
آتے ہین اگر آستین چھوٹی رکھنے کا فیشن ہی تو ہر لیڈی کے بازو ننگے نظر آتے ہین،
اگر سینہ ننگا رکھنے کی رسم ہی تو خواہ سردی سے بیمار ہو جائین مگر سینہ فیشن کے مطابق
ننگا ہے، غالباً فی نفسہ یہ باتین قابل تضحیک ہون مگر یہ ایک قوم کی یگانگت اور
اطاعت کی علامات ہین۔ جب پہنتے ہین تو سب ایک لباس پہنتے ہین جب رہتے
ہین تو ایک سے مکانون مین رہتے ہین جب سونچتے ہین تو سب ایک ہی قسم
کے مسائل سونچتے ہین۔

اس اقتباس سے واضح ہوگا کہ مصنف کی نظر کس قدر چھوٹی چھوٹی باتون اور معمولی معمولی

حالتون تک پہنچی ہی، آگے چل کر مصنف نے لکھا ہی کہ ہندوستان کی ۳۳ تینتیس کروڑ کی آبادی کو معنوی حیثیت سے چند ہزار کی آبادی پر لے آنا چاہئیے۔ اس کا ذریعہ اس کی رائے مین انجمنون کا قیام اور ہر ہندوستانی کا کسی نہ کسی انجمن مین داخل ہوجانا ہی تاکہ افراد کی شخصیتین چند اجتماعی انجمنون مین فنا ہوجائین وہ کہتا ہی اور غالبًا سچ کہتا ہے کہ

ترقی کا پہلا زینہ ہندوستان اس وقت طے کریگا جب

ان انجمنون کے ذریعہ سے ملک مین افراد کم ہوجائین گے اس وقت ہندوستان کی آبادی تینتیس کرور افراد پر مشتمل ہی ترقی تب ہوگی جب کم ہوتے ہوتے ایک ہزار یا اس سے بھی کم انجمنون تک محدود ہوجائیگی۔ اس وقت ایک طوفان بے تمیزی برپا ہے نہ کسی کی کوئی سنتا ہی نہ کوئی سنا سکتا ہے سوائے ایک محدود سیاسی جماعت یا گورنمنٹ کے جو منظم ہین، باقی تمام ملک ریت کے ذرون کی طرح ہی ان لوگون کا کوئی کام مل کر کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسے ریت کی رسّی بنانا،

ماخذ کتاب ماخذ اور حوالے تمام تر صحیح، مستند اور قابل اعتماد ہین مثلًا کلکتہ یونیورسٹی کمیشن رپورٹ، میکالے کی تحریرین ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹرون کی مراسلتین، دی ریل انڈیا مصنفہ مسٹر ریس، انڈین انڈسٹریل کمیشن رپورٹ، حکومت ہند کی تعلیمی رپورٹین، ہندوستان کے ٹکنیکل کالجون کی ڈائرکٹری، گروتھ آف انگلش انڈسٹری اینڈ کامرس مصنفہ کننگھم، انڈسٹری اینڈ ٹریڈ مصنفہ الفریڈ مارشل، اکنومک ہسٹری آف انڈیا مصنفہ بابو دت، ماڈرن جاپان مصنفہ کونٹ آکوما، ماڈرن جرمنی مصنفہ مسٹر بارکر اور دوسری مستند کتابین رسائل اور اخبارات،

طرز بیان زبان بالکل صاف، سہل رواں اور وزنی الفاظ وسخیف محاورات سے عمومًا پاک ہی، طرز بیان سنجیدہ متین اور موثر ہے۔ پڑھنے والے کو بار بار رکنے اور غور کرنیکی

غالبًا ضرورت نہ ہوگی، انداز بیان مین کہین کہین خطابت کی جھلک آجاتی ہی یا ممکن ہی یہ طرز بیان کی صفائی، روانی اور برجستگی کا اثر ہو،

اختلاف رائے کتاب کے بعض مقامات مین مجھے مصنف سے اختلاف رائے بھی ہی۔ مثلًا باب اول کا آخری حصہ جس مین یہ بحث چھیڑی گئی ہی کہ ہندوستان مین مساوی حقوق کی طلب کا جو جذبہ پیدا ہوا اس کا سبب کیا ہی؟ غالبًا اس بحث کو اگر نہ چھیڑا جاتا تو بہتر تھا مقصد کتاب اور مضمون باب دو مین سے کسی کو اس سے چندان تعلق نہین، سودیشی تحریک اور ہندوستان کی موجودہ دوسری تحریکون کا جہان ضمنی تذکرہ آگیا ہی وہان مناظرانہ شان پیدا ہوگئی ہے، ایک سنجیدہ اور بلند تصنیف کا دامن یقینًا ان کانٹون سے محفوظ رکھنا چاہئیے۔ چھٹا باب خاص طور پر موثر دلچسپ اور پرزور ہی، بحث بھی کافی حد تک عمیق اور فلسفیانہ ہی تاہم ضرورت تھی کہ اس کو مزید استقصا، حسن وخوبی اور بلند طرز بیان مین لکھا جاتا کیونکہ یہ کتاب کی روح ہی اگرچہ اب بھی یہ روح قوی ہے لیکن پھر بھی میری رائے مین اس کو مزید غور وفکر کے بعد قوی تر بنایا جاسکتا تھا۔

لسانی حیثیت سے بھی بعض عبارتین اور الفاظ قابل گرفت ہین مثلًا صفحہ ،، امین قدم مارا کھلی یہ فارسی محاورہ گام زدکا صحیح اور بالکل صحیح ترجمہ ہی لیکن اردو مین اس کا استعمال متقدمین کے عہد کے ساتھ ساتھ ختم ہوگیا اب اس کا استعمال مناسب نہین ؛

کتاب کا مقصد اور درجہ اس کتاب سے مصنف کا مقصد قوم کی اصلاح کرنا اس کو دعوت عمل دینا اور اس کے سامنے مفید عملی تجویزین پیش کرنا ہی مجھے یہ کہنے مین کوئی تذبذب نہین کہ مصنف اپنے مقصد مین ہر طرح کامیاب ہے، اصلاحی نقطہ نظر سے کتاب کو جدت کا درجہ حاصل ہے اور تصنیفی حیثیت سے یہ موجودہ اردو مصنفات کی صف اول مین داخل ہوسکتی ہے، مین اس مفصل تبصرہ کو اپنا دہ جملہ لکھے بغیر ختم نہین کرسکتا جو کتاب کو جابجا سے پڑھنے کے بعد پہلی مرتبہ بے ساختہ میری

زبان سے نکلا تھا کہ

اگر اس مسلمان مصنف کا تعلق اس سرزمین پنجاب سے جو سعی و عمل کا غیر معمولی مادہ اپنے اندر رکھتی ہی، ہوتا تو اس کو ایسی مفید و عمدہ کتاب کے مصنف ہونیکا فخر مشکل سے حاصل ہوتا،

لکھائی چھپائی صاف ستھری، کاغذ سفید چکنا، تقطیع متوسط صفحے ۱۸۸ قیمت عمر،

مصنف کے پتہ:- محمد تیمور صاحب ایم اے پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور سے

یا

فیجر روز بازار الیکٹریک پریس کارخانہ وکیل امرتسر سے طلب کیجئے،

مطبوعات جدیدہ

سیر ایران، شمس العلما، محمد حسین آزاد دہلوی نے دو اولادین اپنی یادگار چھوڑین، ظاہری اور باطنی، مبارک ہین وہ ظاہری اولادین جو اپنے بزرگون کی باطنی اولادون کی پرورش اور نشو و نما کا سامان کر سکین، آزاد مرحوم کے پوتے آغا محمد طاہر انہین مبارک اولادون مین ہین جو جدّ امجد کے منتشر اوراق اور مسودون کو گرد و غبار سے پاک کرکے ترتیب و اہتمام کے ساتھ چھاپ کر شائع کر رہے ہین، اس سلسلہ مین ابھی حال مین انھون نے سیر ایران، شائع کی ہی، یہ حضرت آزاد مرحوم کے سفر ایران کے مختلف سرسری واقعات کا مجموعہ ہے، بڑا حصہ اس کا مرحوم نے ایک خطبہ کی صورت مین لاہور کے ایک مجمع کے سامنے پڑھکر سنایا تھا، باقی روزنامچہ کی حیثیت رکھتا ہے، زیادہ تر زبان اردو ہی، کہین کہین فارسی ہی، مجموعہ گو مختصر ہے مگر دلچسپ اور ایران کی پرانی زندگی کی تصویر ہے، چھوٹی تقطیع، صفحات ۱۸۸، لکھائی چھپائی کاغذ اعلی، قیمت مجلد مطلا عسا غیر مجلد عہر پتہ:- آزاد بکڈپو۔ اکبری منڈی لاہور

روح نظیر، نظیر اکبرآبادی کی ہر قسم کی نحوی، عروضی، اور شاعرانہ غلطیون کے تسلیم کر لینے کے بعد بھی ہم یہ کہنے پر مجبور ہین کہ وہ ایک کامل شاعر تھا، وہ اس زمانہ مین پیدا ہوا جب شاعری صرف تغزل کا نام تھا، لیکن اس نے اپنی شاعری کے لئے الگ شاہراہ نکالی، اور اخلاق تصوف کو افسانہ، حکایات اور بولیون مین اس طرح ادا کیا ہے کہ اب وہ ہر گدا اگر فقیر کی زبان قال ہی، پروفیسر شہباز عظیم آبادی مرحوم کے سوا ہمارے اہل قلم اصحاب نے نظیر کی طرف بہت کم توجہ کی، آج ہمارے سامنے نظیر کے ایک ہموطن ادیب مخمور اکبرآبادی بی، اے کی تالیف روح نظیر ہی، جس مین مؤلف نے نظیر کے بہترین کلام کو منتخب کر کے یکجا کیا ہے، اور شروع مین نظیر اور اس کی شاعری پر ۱۶۲ صفحون کا ایک

مقدمہ لکھا ہی، اس مقدمہ مین مختلف حیثیتون سے نظیر کے کلام پر تقریظ اور تبصرہ ہے، نظیر ہندی اور متروک الفاظ اکثر نظم کرتا ہی، مخمور صاحب نے کتاب کے آخر مین ان الفاظ کو یکجا کر کے ان کے معنی لکھے ہین، اس کے بعد نظیر کے ان منظومات مین جو نام اور تلمیحات آئے ہین، ان کی توضیح کی ہی، آخر مین فہرست ابواب ہے ضخامت ۔۔۴ صفحات، تقطیع چھوٹی، قیمت عہ، پتہ:۔ رام پرشاد اینڈ برادرس کتب فروشان، چوک آگرہ،

رباعیات سرمد سرمد کی رباعیان اس سے پہلے بھی چھپی ہین، مگر اس زیر تنقید طبع مین ایک جدت یہ کی گئی ہی کہ ہر فارسی رباعی کے نیچے رباعی ہی مین اس کا اردو ترجمہ بھی درج کیا گیا ہی، آغاز مین مولنا ابوالکلام کا ایک پرانے مضمون، سوانح سرمد کو دیباچہ بنایا گیا ہی، رباعیات کا اردو ترجمہ سید نواب علی صاحب صولت لکھنوی نے کیا ہے، رباعی کا رباعی ترجمہ مین ایک مشکل کام ہے، لیکن ہم مترجم کو مبارکباد دیتے ہین کہ انھون نے اس مشکل کو پوری طرح حل کیا ہی، سرمد کی اصل رباعیون کے انتخاب مین زیادہ تدقیق و کاوش سے کام نہین لیا گیا ہی، بعض رباعیان تو کھلی ہوئی خیام کی ہین، بعض پر ہم کو سلطان ابوسعید ابوالخیر کا دھوکا ہوتا ہی، ضخامت ۹۰ صفحات، لکھائی چھپائی صاف، قیمت مجلد عہ غیر مجلد ۱۲ر، پتہ:۔ شاہجہانی پریس، کٹرہ گوکل شاہ، دہلی،

خانہ داری، محترمہ محمدی بیگم صاحبہ مرحومہ جن کی نسبت سے اخبار تہذیب نسوان اب تک قائم ہے اور جو متعدد زنانہ تصنیفات کی مالک تھین، یہ کتاب بھی انھین کی ایک تصنیف ہی، جس مین خواتین کو آسائش، صفائی، تہذیب اور کفایت شعاری سے رہنے سہنے کے قاعدے اور آداب بتائے ہین، ہر شریف گھرانے مین اسکا ایک نسخہ رہنا چاہئے، ضخامت ۱۳۲ صفحات، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت عہ، پتہ:۔ دارالاشاعہ پنجاب لاہور،